

معراج الہی

جلی صہبہ علیہ السلام فی اللہ سبحانہ و تعالیٰ

ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

معراج النبی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ڈاکٹر اسرار احمد

کا ایک جامع خطاب

ترتیب و تسوید :
(شیخ) جمیل الرحمن

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36- کے ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 5869501-03

اس کتابچے کی اشاعت و طباعت کی ہر شخص کو مکمل اجازت ہے

نام کتاب _____ معراج النبی ﷺ
بار اول تا بار ششم (مارچ 1984ء تا اکتوبر 1999ء) _____ 14,200
بار ہفتم (مارچ 2005ء) _____ 3300
ناشر _____ ناظم نشر و اشاعت، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
مقام اشاعت _____ 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 5869501-03
مطبع _____ شرکت پرنٹنگ پریس لاہور
قیمت (اشاعت خاص) _____ 20 روپے
(اشاعت عام) _____ 12 روپے

ترتیب

۴	○ عرض ناشر
۵	○ پیش لفظ
۷	○ واقعہ معراج کی حقیقت و اہمیت
۹	○ سفر معراج کی غرض و غایت
۱۳	○ روایات معراج میں اختلاف کی حقیقت
۱۵	○ سفر معراج کی عقلی توجیہ
۱۷	○ آیہ اسراء کی تشریح و توضیح
۱۸	◆ عبدیت و رسالت میں فرق مراتب
۲۳	◆ چند وضاحت طلب پہلو
۲۴	○ واقعہ معراج --- حدیث نبویؐ کے آئینے میں
۲۹	○ سورۃ النجم میں مشاہدات معراج کا ذکر
۳۲	◆ معراج اور رویت باری تعالیٰ
۳۴	◆ "ما زاغ البصر و ما طغی" کا مفہوم
۳۶	○ حدیث معراج کا تسلسل
۳۸	◆ امت کے لئے معراج کے تحفے
۴۰	○ مشرکین کا رد عمل
۴۲	○ ابو بکر صدیقؓ کی تصدیق
۴۳	○ واقعہ معراج سے متعلق احادیث اور آثار صحابہؓ



عرض ناشر

زیر نظر کتابچے کا پہلا ایڈیشن مارچ ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا تھا۔ جیسا کہ اس کتابچے کے ”پیش لفظ“ میں مذکور ہے، یہ فی الاصل ”واقعہ معراج“ کے موضوع پر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا ایک خطاب ہے جسے ہمارے قابل احترام بزرگ شیخ جمیل الرحمن صاحب نے مرتب کر کے اولاً ماہنامہ ”میشاق“ میں اور پھر کتابچے کی صورت میں شائع کیا۔ تاحال اس کتابچے کے چار ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں۔ گزشتہ ایڈیشن کی طباعت کے موقع پر بھی اس ضرورت کا شدت کے ساتھ احساس ہوا تھا کہ اس کی کتابت از سر نو کرائی جائے، اس لئے کہ سابقہ کتابت اب دھندلی ہو کر قریباً ناقابل استعمال ہو چکی تھی۔ کتابت کے ضمن میں اب چونکہ ہمیں کمپیوٹر کی سہولت حاصل ہے لہذا زیر نظر ایڈیشن ہم خوشنما کمپیوٹر کمپوزنگ کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔ اس موقع پر ہمارے رفیق کار حافظ خالد محمود خضر نے کتابچے پر از سر نو بھرپور طور پر نظر ثانی کرتے ہوئے مناسب Editing بھی کی ہے اور ذیلی سرخیوں کے اضافے سے اس کی افادیت میں بھی بجا طور پر اضافہ کیا ہے۔ مزید برآں کتابچے میں شامل احادیث کے متون اور حوالوں کے ضمن میں حدیث کی اہمات کتب سے رجوع کیا گیا ہے اور اس معاملے میں سابقہ ایڈیشن میں جو تھوڑی بہت کمی رہ گئی تھی اس کی تلافی کر دی گئی ہے۔

واضح رہے کہ اس بات کا پورا امکان موجود ہے کہ دروس و خطابات کو تحریری شکل میں مرتب کرتے وقت کسی بھی مرتب سے کسی علمی و فکری غلطی کا صدور ہو جائے اور کسی غلط فہمی کے باعث وہ کوئی بات غلط طور پر مقرر یا مدرس کی طرف منسوب کر دے۔ لہذا دوران مطالعہ کوئی بات اگر خلاف واقعہ محسوس ہو تو اسے صاحب کتاب یعنی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی طرف منسوب کرنے کی بجائے ادارے کی جانب رجوع کیا جائے اور وضاحت طلب کی جائے۔ ممکن ہے مرتب کے سہو کے باعث کوئی غیر مناسب لفظ یا جملہ کتاب میں شامل ہو گیا ہو۔

(حافظ) عاکف سعید

ناظم نشر و اشاعت، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۱۹/ اکتوبر ۱۹۹۵ء

پیش لفظ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

یہ کتابچہ معراج النبی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے ایک خطاب پر مشتمل ہے جو موصوف نے قریباً دو سال قبل ۱۲/۷ رجب المرجب کو فرمایا تھا۔ اس کو کیسٹ سے منتقل کر کے معمولی حک و اضافہ کے بعد ماہنامہ میثاق لاہور کے مئی ۸۳ء کے شمارے میں شائع کیا گیا تھا۔ الحمد للہ واللہ کہ اس خطاب نے قبول عام حاصل کیا اور عوام و خواص نے ڈاکٹر صاحب موصوف کو ان کے طرز استدلال پر خراج تحسین پیش کیا۔

نام نہاد عقلیت پرستی کے اس دور میں یگانوں اور بیگانوں نے قرآن و حدیث میں وارد شدہ معجزات اور خرقِ عادت و اوقات کی ایسی عقلی توجیہ کرنے کی جسارت کی ہے جس سے نہ صرف یہ کہ قرآن و حدیث کی صریح نصوص کے نیچے ادھیرے گئے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے "علیٰ کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" ہونے کا تصور بھی مجروح ہوتا ہے۔ لہذا یہ وقت کی اہم ضرورت ہے کہ اس بات کو واضح کیا جائے کہ اس کارگاہِ عالم میں جو طبعی قوانین نافذ ہیں وہ از خود نافذ نہیں بلکہ ہر آن اور ہر لمحہ خالق و فاطر کائنات خود ان کی تدبیر فرما رہا ہے۔ وہ صاحب اختیار ہے، جب چاہے ان قوانین بیسیعہ کو معطل فرما سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کو جزائے خیر دے اور مزید قرآن فہمی سے نوازے کہ انہوں نے اس خطاب میں اختصار لیکن جامعیت کے ساتھ قرآن و حدیث سے ثابت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو جسدِ اقدس کے ساتھ ہی معراج کی سعادت عطا ہوئی تھی۔ ساتھ ہی عقلی دلائل سے بھی اس محیر العقول واقعہ کے استبعاد کو دور کرنے کی کامیاب کوشش فرمائی ہے، جس کے متعلق کچھ تجدید پسند دانشوروں نے غلط فہمیاں اور مغالطے پیش کر کے ریب و تشکیک کے کانٹے اذہان میں پیدا کر رکھے ہیں۔

توقع ہے کہ یہ مختصر کتابچہ ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کا، ان شاء اللہ، ذریعہ بنے گا جو اپنے اور پرائے دونوں ہی ہماری موجودہ تعلیم یافتہ نسل میں پھیلانے کی مذموم کوشش کرتے رہتے ہیں۔

اللّٰهُمَّ اَلْهَمْنَا رَشْدَنَا وَاعِزَّنَا مِنْ شُرُورِ اَنْفُسِنَا

احقر: جمیل الرحمن

مارچ ۱۹۸۳ء

اعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم
 ﴿سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
 إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا الَّذِي بَرَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنَ الْإِبْتِغَاءِ
 إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الاسراء: ٨)

☆

﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى ۖ أَفَتُحْمَرُّونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ۖ
 وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ۖ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ ۖ عِنْدَهَا
 جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ ۖ إِذْ يَخْشَى الْسُّدْرَةَ مَا يَفْخَىٰ ۖ مَا زَاغَ
 الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ ۖ لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ ۖ﴾

(النجم: ١٨)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آج سے چودہ سو چھ (۱۳۰۶) برس قبل ۲۷ / رجب کی ایک شب وہ محیر العقول واقعہ پیش آیا تھا جسے ہم ”معراج“ کے نام سے جانتے ہیں۔ معراج کے بارے میں کتبِ احادیث میں جو روایات ملتی ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ عظیم واقعہ ہجرت مدینہ سے ڈیڑھ سال قبل پیش آیا جب کہ نبی اکرم ﷺ کی عمر شریف قریباً باون برس تھی۔

واقعہ معراج کی حقیقت و اہمیت

اس واقعہ کی حقیقت کیا ہے اس کی اہمیت کیا ہے اس موضوع پر گفتگو کرنے کے ضمن میں سب سے پہلے ہمیں یہ معین کرنا ہو گا کہ اس واقعہ کے ہم تک پہنچنے کے ذرائع (Sources) کیا ہیں؟ ظاہر بات ہے کہ ہمارے لئے کسی بھی ضمن میں مرجعِ اول اور اولین بنیاد قرآن مجید ہے۔ قرآن حکیم میں واقعہ معراج کا ذکر دو مقامات پر صراحت کے ساتھ آیا ہے۔ اس میں نہ کسی اشارے، نہ نئے، نہ رمزیاء ایماء کا اندازہ ہے اور نہ کوئی ابہام یا ایہام ہے، بلکہ صراحت کے ساتھ واضح الفاظ میں اس واقعے کا ذکر ہے۔ اس سفرِ مبارک کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ زمینی ہے یعنی مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک، اور دوسرا حصہ آسمانی ہے یعنی مسجدِ اقصیٰ سے سدرة المنتہی تک۔ چنانچہ قرآن مجید میں دو مقامات پر اس واقعہ کے دونوں حصوں کو جدا جدا بیان کیا گیا ہے۔

سورۃ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں جو پندرہویں پارے کی بھی پہلی آیت ہے، اس زمینی سفر کا ذکر ہے: ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا﴾ ”پاک ہے وہ ذات جو لے گئی راتوں رات اپنے بندے کو“ شب کے ایک حصے میں ”مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک“۔ ﴿الَّذِیْ لَمْ یَمَسَّہٗ جَوْلٌۢ بَیْنَہُمْۚ﴾ ”جس کے ماحول (گرد و پیش) کو ہم نے مبارک بتایا“۔ ﴿لَیْسَ لَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا﴾ ”ناکہ ہم دکھائیں اسے (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی نشانیوں میں سے کچھ نشانیاں“ ﴿اِنَّہٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾ ”یقیناً سب کچھ سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا تو صرف وہ

(تبارک و تعالیٰ) ہے۔“

جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا یہ سورۃ بنی اسرائیل کی پہلی آیت ہے۔ نوٹ فرما لیں کہ اس سورۃ مبارکہ کا دوسرا نام سورۃ الاسراء بھی ہے، بلکہ عرب ممالک میں جو قرآن مجید طبع ہوتے ہیں ان میں اسے ”سورۃ الاسراء“ کے نام سے ہی موسوم کیا جاتا ہے۔

اس سفر مبارک کا جو آسمانی حصہ ہے، اس کا ذکر سورۃ النجم میں ہے۔ تو جیسا کہ میں نے عرض کیا اس واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کی اطلاع خود قرآن سے ملتی ہے جو ہمارے لئے مرجعِ اول ہے۔ اس حوالے سے یہ بات جان لیجئے کہ چونکہ اس واقعہ کی بنیاد صرف احادیث ہی پر مبنی نہیں ہے بلکہ قرآن مجید میں بھی بصراحت اس کا ذکر ہے لہذا اس کا انکار کفر ہو گا، اگرچہ توجیہ اور تاویل کے اعتبارات سے الفاظِ قرآنی میں جس حد تک گنجائش ہو اس حد تک اگر کوئی اختلاف ہو تو اسے کفر نہیں سمجھا جائے گا۔

اس واقعہ کے ضمن میں ہمارے لئے مرجعِ ثانی احادیثِ نبویہ ہیں۔ ہمارے دین کے یہ دو بنیادی ماخذ ہیں، قرآن و حدیث۔ انہی کو اصطلاحاً کتب و سنت بھی کہا جاتا ہے۔ یہ معروف بات ہے کہ احادیث میں درجہ بندی ہے۔ سند کے اعتبار سے قوی ترین احادیث وہ ہیں جو صحیحین یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہیں۔ ان میں سے بھی وہ احادیث جو ان دونوں میں موجود ہوں یعنی جن کی صحت پر یہ دونوں امام متفق ہو گئے ہوں، وہ اپنی سند کے اعتبار سے قرآن مجید کے آس پاس پہنچ جاتی ہیں۔ اس وضاحت کے بعد یہ بات جان لیجئے کہ اگرچہ ایسی احادیث کی تعداد کثیر ہے جن میں مختلف تفاسیل مذکور ہیں، تاہم نوٹ کرنے والی بات یہ ہے کہ کم از کم اٹھائیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ واقعہ مروی ہے۔

چونکہ ایک ہی روایت کئی کئی صحابہ سے مروی ہے اس اعتبار سے روایات کی تعداد تو اٹھائیس سے بھی بڑھ جائے گی لیکن ان صحابہ کی تعداد اٹھائیس ہے جن سے واقعہ معراج کا ذکر تفصیلاً یا اجمالاً مروی ہے۔ پھر ان میں ایک بڑی مفصل روایت وہ بھی ہے جو متفق علیہ ہے۔ یعنی احادیث کے اس طبقے سے تعلق رکھتی ہے کہ جن کے بارے میں

شک و شبہ کی گنجائش بہت ہی کم رہ جاتی ہے، بلکہ صحیح تر بات یہ ہوگی کہ معدوم کے درجے میں آ جاتی ہے۔ اس متفق علیہ حدیث میں جو تفصیل آئی ہیں، انہیں ہمیں من و عن ماننا ہوگا۔

سفر معراج کی غرض و غایت

اس تمہید کے بعد پہلے میں یہ عرض کروں گا کہ اس واقعہ کی نوعیت کیا ہے۔ آیا یہ کوئی منفرد واقعہ ہے جو نبی اکرم ﷺ کو پیش آیا ہے یا یہ نبوت و رسالت کے مستقل معاملات میں سے ایک معاملہ ہے اور مختلف انبیاء و رسل کے ساتھ بھی یہ معاملہ پیش آیا ہے۔ اگر پیش آیا ہے تو اس میں جو فرق و تفاوت ہے وہ آیا نوعیت کا ہے یا کیفیت کا۔۔۔؟ یہ بات جان لیجئے کہ مکاشفات اور مشاہدات تو نبوت کا جزو لاینفک ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء و رسل اس منصب اور خدمت پر مامور ہوتے ہیں کہ ان امورِ غیبی کی اطلاع دیں جن پر ایمان لانا لوگوں کے لئے ضروری ہے۔ جیسے اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات والا صفات ہے، جو ذات و صفات کے اعتبارات سے احد ہے۔ پھر ملائکہ ہیں۔ اسی طرح جو آئندہ پیش آنے والے واقعات ہیں، جب تک وہ پیش نہ آجائیں وہ پردہ غیب میں ہیں۔ یوم الآخرۃ، قیامت کا دن، ایک امرِ غیبی ہے۔ بعث بعد الموت، نشر و نشرِ وزنِ اعمال، جزا و سزا، یہ سب امورِ غیبی ہیں۔ پھر سب سے بڑھ کر خود ذاتِ باری تعالیٰ ہے، جس کے متعلق یایوں کہہ لیں کہ وہ (اللہ تعالیٰ) غیب میں ہے۔۔۔۔۔ یایوں کہہ لیں کہ اُس ذاتِ عز و جل اور ہمارے مابین غیب کا پردہ حائل ہے۔ یہ وہ چیزیں اور وہ امور ہیں جن پر ایمان لانا از بس ضروری ہے۔ ہدایت کا نقطہ آغاز ہی یہ ہے کہ ان باتوں کو مانا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ البقرہ میں ہدایت کے لئے جو شرطِ اول بیان کی گئی ہے وہ یہی ایمان بالغیب ہے: ﴿الَّذِينَ آمَنُوا بِالْغَيْبِ ۝ ذَٰلِكُمُ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ ۝﴾ یہ شرطِ اول ہے۔ اب جو بلند مرتبت ہستیاں اس خدمت پر مامور ہوئی ہوں کہ وہ ان امورِ غیبی پر ایمان کی دعوت دیں، ظاہر ہے کہ انہیں تو ان امور پر بدرجہ کمال و تمام ایمان و

یقین ہونا چاہئے۔ جب تک وہ ایمان و یقین ان کے اندر اپنے درجہ کمال کو پہنچا ہوا نہیں ہوگا، وہ دوسروں تک اس ایمان بالغیب کو کیسے منتقل کریں گے؟

اب یہ بھی جان لیجئے کہ ایمان و یقین کے مختلف مراتب ہیں۔ ایک یقین وہ ہے جو فکر و نظر اور عقل و فکر کے نتیجے میں پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک یقین وہ ہے جو خود ذاتی مشاہدے سے پیدا ہوتا ہے۔ چپا وہ ہے بچے بہنیں تلے لکڑیوں میں اٹھ رہا تھا اور آپ کے اپنے سرنی آنکھوں سے آگ کا مشاہدہ کر لیا تو اب علم الیقین سے بلند تر درجہ آپ کو حاصل ہو گیا۔ یہی عین الیقین ہے۔ عربی کا مقولہ ہے کہ "لَيْسَ الْعَبْرُ كَالْمُعَايَنَةِ" یعنی "کسی کے بتانے سے جو یقین پیدا ہوتا ہے وہ اس درجے کا نہیں ہو سکتا جو دیکھنے سے پیدا ہوتا ہے۔" فارسی میں اسی حقیقت کا اظہار اس مقولے کے ذریعے کیا جاتا ہے کہ "شنیدہ کے بودماند دیدہ"۔۔۔ لیکن ابھی یقین و معرفت کا ایک درجہ باقی ہے اور وہ در حقیقت آگ کی اصل حقیقت کا طور اک ہے۔ آپ نے آگ آنکھ سے دیکھ لی، لیکن اس دوسرے کا امکان

ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ آگ کی سی صورت ہو، حقیقی آگ نہ ہو۔ سورۃ النجم میں فرمایا گیا کہ ﴿مَا كَذَّبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ۖ﴾ ”نظر نے جو دیکھا دل نے اس کو جھٹلایا نہیں۔“ اس میں اسی وسوسے کی طرف اشارہ ہے کہ کسی وقت انسان کسی شے کو دیکھ رہا ہوتا ہے لیکن یقین نہیں آتا کہ میں ٹھیک دیکھ رہا ہوں اور کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ انسان پکار اٹھتا ہے کہ ”آنچہ می نیسم بہ بیداریست یا رب یا بخواب۔“ اس وسوسے کا کلیۃً ازالہ اس وقت ہو جائے گا جب وہ آگ آپ کو چھو جائے یا آپ اس آگ کو خود چھولیں۔ اب یقین ہو جائے گا کہ یہ واقعتاً آگ ہے، محض صورت آگ نہیں ہے بلکہ حقیقت آگ ہے۔ اس تجربے ہی سے آپ کو صحیح اندازہ ہو گا کہ آگ کتنے کسے ہیں اگر کبھی انگارے نے آپ کے جسم کے کسی حصے کو چھوا نہ ہو اور آپ نے ساری عمر آگ صرف دیکھی ہو تو اس کی اصل حقیقت کا علم اور ادراک آپ کو حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ ہے وہ ذاتی تجربہ جس کی رسانی جب انسان کے اپنے احساس تک ہو جاتی ہے تو اس کو ”حق الیقین“ کہا جاتا ہے۔

اب ظاہر بات ہے کہ انبیاء و رسل کو جو یقین دوسروں تک منتقل کرنا ہے اس کے پیش نظر ان کا اپنا یقین و ایمان اگر حق الیقین کے درجے تک نہ پہنچا ہو اور ان کے اپنے تجربے اور احساس کا جزو نہ بن چکا ہو تو مطلوب حاصل نہیں ہو سکتا۔ پھر یقین کی وہ کیفیت پیدا نہیں ہو سکتی کہ وہ مجسم ایمان و یقین بن جائیں کہ ان کی شخصیتوں سے یقین متعدی ہو رہا ہو، پھیل رہا ہو۔۔۔ اس کے لئے ان کا تجربہ، ان کا معائنہ اور ان کا مشاہدہ اگر نہ ہو تو یقین کا وہ درجہ کبھی پیدا نہیں ہو سکتا کہ ان کی شخصیتوں سے یقین متعدی ہو جائے، لوگوں تک پہنچے۔ جیسے اگر آگ کی بھی ہو تو اس سے حرارت خود بخود نکلتی ہے اور دوسروں تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ ہے اصل میں وہ سبب جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ عالم ملکوت کے مشاہدات انبیاء و رسل کو کراتا ہے۔ یہ مکاشفات کی شکل میں بھی ہوئے ہیں، یہ رؤیا کی شکل میں بھی ہوئے ہیں۔ یہ حالت نوم میں بھی ہوئے ہیں، حالت بیداری میں بھی ہوئے ہیں اور ان دونوں یعنی خواب و بیداری کی درمیانی کیفیت میں (بَیْنَ السَّوْمِ

وَالْبَيْضَةُ) بھی ہوئے ہیں۔ اس میں کچھ چیزوں کو مشل کر کے بھی دکھایا گیا ہے۔ بعض حقائق کا براہ راست مشاہدہ کرایا گیا ہے۔ جیسے جیسے مراتب ہیں ویسے ویسے ہی ان تجربات و مشاہدات کا معاملہ ہے۔ سورۃ الانعام کی آیت ۷۵ میں فرمایا گیا: ﴿وَكَذَلِكَ نُرِي اِبْرٰهٖمَ مَلَكُوٰتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُتَوَفِّيْنَ﴾ اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے رہے ”مَلَكُوٰتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ“۔ یعنی اس کائنات کی خفیہ حکومت کا جو انتظام و انصرام ہے اس کے جو کاندے ہیں اس کی جو سول سروس ہے یعنی ملائکہ جو لوگوں کی نگاہوں سے مخفی ہیں۔ ملائکہ تو ہر جگہ موجود ہیں، ہم میں سے ہر ایک کے ساتھ ہیں، حکمرانوں کا تبین موجود ہیں لیکن وہ مخفی ہیں۔ وہ غیب میں ہیں یا ہم ان سے غیب میں ہیں۔ اس عالم کا ابراہیم علیہ السلام کو مشاہدہ کرایا جاتا رہا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی اس خفیہ حکومت، اس غیبی حکومت کے رموز و اسرار اور معاملات دکھائے جاتے رہے ہیں۔۔۔ اس آیت کا آخری ٹکڑا میری اس گفتگو کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔ وہ یہ کہ: ﴿وَلِيَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُتَوَفِّيْنَ﴾ ”تاکہ وہ (یعنی حضرت ابراہیم) اصحاب یقین میں سے بن جائے۔“ ایمان تو محض خبر کی بنیاد پر بھی ہے لیکن میں نے یقین کا جو بلند ترین درجہ عرض کیا ہے وہ مشاہدے اور ذاتی تجربے کی بنیاد پر پیدا ہوتا ہے۔ اس بلند ترین درجے کا یقین انبیاء و رسل کو دینا مقصود ہوتا ہے لہذا انہیں یہ مشاہدات و تجربات کرائے جاتے ہیں۔

البتہ جیسے نبوت و رسالت کے سلسلے کی تکمیل نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی پر ہوئی ہے، اسی طرح ان مشاہدات کے بارے میں بھی چوٹی کا مشاہدہ اور ذاتی تجربات کے ضمن میں بھی بلند ترین تجربہ وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کو ہوا جسے ہم معراج کے نام سے جانتے ہیں۔ لیکن نبی اکرم ﷺ کے بارے میں یہ بات ضرور ذہن میں رکھنی چاہئے کہ یہ واحد تجربہ نہیں ہے، آپ کو بے شمار تجربات ہوئے ہیں۔ آپ صلوٰۃ استسقاء پڑھا رہے ہیں اور جنت آپ کے سامنے لے آئی گئی اور بے اختیار آپ کا ہاتھ اٹھا اور آگے بڑھاتا کہ آپ جنت کے کسی درخت کا پھل یا میوہ تو ڈالیں۔ یہ ہاتھ کا اٹھنا

اور بڑھنا ایک غیر اختیاری عمل تھا۔ اس نوع کے عمل میں کسی ارادے کو دخل نہیں ہوتا۔ پھر جنم سامنے لے آئی گئی اور آپؐ بے اختیار اس کی حرارت، اس کی گرمی، اس کی دہشت سے اچانک پیچھے ہٹے۔ یہ تمام تجربہ نماز میں ہو رہا ہے، عالم بیداری میں ہو رہا ہے۔ حضورؐ خلوت میں نہیں ہیں، مجمع میں ہیں، وہاں ہو رہا ہے۔ مختصراً یہ کہ ہم ان مشاہدات کا احاطہ کر ہی نہیں سکتے جو جناب محمدؐ رسول اللہ ﷺ کو ہوئے۔

روایات معراج میں اختلاف کی حقیقت

آگے بڑھنے سے قبل واقعہ معراج سے متعلق ایک ظاہری الجھن کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ امر واقعہ ہے کہ جہاں تک نفس واقعہ کا تعلق ہے اس کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ سب مانتے ہیں کہ سیرت میں ایسا کوئی واقعہ ہوا تو ضرور ہے۔ البتہ اس کی تفصیلات کے بارے میں مختلف روایات ملتی ہیں، جن میں بظاہر بہت اختلاف ہے۔ یعنی مجرد واقعہ معراج تو متفق علیہ ہے، لیکن اس خاکے میں جو رنگ ہیں، وہ مختلف روایات میں جدا جدا ہیں۔ ان میں بھی ایک تو اس نوعیت کی چیزیں ہیں جن میں ہم آہنگی کی جاسکتی ہے اور وہ باہم Fit ہو جاتی ہیں۔ اس بات کو اس مثال سے سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک واقعہ آپؐ نے دیکھا اور وہی واقعہ کسی اور نے بھی دیکھا تو آپؐ اس کو جس انداز میں بیان کریں گے ہو سکتا ہے کہ دوسرا اس کو اس انداز سے نہیں بلکہ کسی اور انداز سے بیان کرے۔ یعنی آپؐ اس واقعہ کی ایک کڑی کو زیادہ تفصیل سے بیان کریں اور شاید دوسرے صاحب اس کو اجمالی طور پر بیان کریں اور کسی دوسری کڑی کو زیادہ تفصیل سے بیان کریں۔ ہر شخص کا ایک اپنا ذوق اور اپنا مزاج ہوتا ہے۔ اسی کے اعتبار سے واقعات کا بیان بھی ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپؐ کے ذوق کے اعتبار سے کوئی بات آپؐ کے نزدیک کم اہمیت رکھتی ہے تو اگرچہ آپؐ اسے سنیں گے یا دیکھیں گے بھی، لیکن وہ آپؐ کے حافظے میں محفوظ نہیں رہے گی۔ ایک دوسری چیز کی طرف آپؐ کو زیادہ میلان ہے اس کو آپؐ پوری طرح گرفت میں لائیں گے، اسے Catch کریں گے اور محفوظ کر لیں گے۔ تو ایک ہی

واقعہ بیان کیا جا رہا ہے، اسے دو نے سنا، پانچ نے سنا، تو جب یہ حضرات اس کو بیان کریں گے تو تھوڑا تھوڑا فرق ہو جائے گا لیکن آپ اس فرق کو جوڑ کر ایک وحدت بنا سکتے ہیں۔ لہذا روایات میں ایک اختلاف تو اس نوعیت کا ہے جس میں کسی تویل کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کہیں یہ ہو گا کہ اس واقعہ کا کوئی درمیانی یا بعد کا حصہ کوئی شخص پہلے بیان کر دے گا اور اسے جب یاد آ جائے گا تو وہ پہلا حصہ بعد میں بیان کر دے گا۔ یہ تقدیم و تاخیر والی باتیں بھی بالکل سمجھ میں آئے ہیں۔ عقل، انشا، اذکار، کہ یہ آیتیں من لہذا یہ حدیث رد نہیں ہوتی۔ بعض محققین اس تویل کو تسلیم نہیں کرتے کہ واقعہ معراج بار بار ہوا ہے بلکہ وہ اپنی تحقیق کی بنیاد اس روایت کو بناتے ہیں جسے وہ زیادہ معتبر سمجھتے ہیں اور صرف اسی کو قبول کرتے ہیں، چنانچہ اسی کے مطابق اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں اور بقیہ روایات کو وہ رد کر دیتے ہیں۔ سلف سے یہ اختلاف چلا آ رہا ہے اور یہ آئندہ بھی رہے گا۔ اپنے ذاتی مطالعہ اور غور و فکر سے جس نتیجے پر میں پہنچا ہوں، وہ میں آپ کے سامنے بیان کر دیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو معراج کی سعادت کم از

کم دو مرتبہ حاصل ہوئی ہے۔

ایک مرتبہ یہ واقعہ نبوت کے ابتدائی دور میں پیش آیا۔ یوں سمجھئے کہ یہ معراج نبوت کے سن دو یا تین میں ہوا یعنی ۴۲ یا ۴۳ سن ولادت میں۔ اور یہ معراج ہوا ہے حالت نوم میں۔ ایسی روایات اس معراج کے ساتھ جڑیں گی جن کے آخر میں مذکور ہے ”نَمْ اسْتَبْقَطْتُ“ یعنی ”پھر میں جاگ گیا“۔ یہ جو تجربہ ہے اس کو نیند میں ایک روحانی تجربے، ایک مکاشفے یا خواب سے تعبیر کیا جائے گا۔ اور جو دوسرا واقعہ ہے، جو انتہائی مشہور و معروف ہے اور جس کو ہم ”معراج“ کے نام سے جانتے ہیں، یہ نبوت کے سن گیارہ کے اواخر یا سن بارہ کے اوائل میں ہوا ہے۔ گویا یہ آل حضور ﷺ کی عمر شریف کا ۵۲ واں سال ہے، یعنی ہجرت سے لگ بھگ دو سال قبل۔ یہ واقعہ درحقیقت ان تجربات کی، جو آنحضور ﷺ کو اُس وقت تک ہوئے تھے، تکمیل ہے اور یہ تجربہ ان تمام تجربات کا نقطہ عروج ہے۔ اور یہ سفر ہرگز نیند میں نہیں ہوا۔ یہ صرف روحانی تجربہ نہیں ہے، یہ کوئی رؤیا یا خواب نہیں ہے، بلکہ یہ سفر ہے بِحَسَبِہٖ۔ نبی اکرم ﷺ کے پورے جسد مبارک کے ساتھ معراج کا یہ پورے کا پورا سفر پیش آیا۔

سفر معراج کی عقلی توجیہ

اس ضمن میں اس دور میں، جو عقلیت پرستی کا دور ہے اور جسے ”18th Century Rationalism“ کہا جاتا ہے، مغرب میں فکرِ انسانی کئی قلابازیاں کھا چکا ہے، لیکن مشرق کے کچھ مفکرین ہیں جو ابھی تک اٹھارہویں صدی ہی کے ”Rationalism“ کو بیٹھے چاٹ رہے ہیں۔ حالانکہ اٹھارہویں صدی کی وہ عقل پرستی مغرب میں ختم ہو چکی ہے، سائنس کے صغریٰ کبریٰ اور مقدمات و متعلقات (Premises) تبدیل ہو چکے ہیں، اصول و مبہوی بدل چکے ہیں، لیکن علامہ اقبال کے اس مصرعے کے مصداق کہ ”وہاں دگرگوں ہے لحظہ لحظہ، یہاں بدلتا نہیں زمانہ“ ہمارے یہاں کچھ لوگ ہیں جو ابھی تک نیوٹونین فزکس (Newtonian Physics) کو مضبوطی

سے پکڑے بیٹھے ہیں۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے نزدیک معراج کا واقعہ محالات اور ناممکنات میں سے ہے۔ میں اسی لئے کہتا ہوں کہ اگر سرسید احمد خان مرحوم نے ٹھوکر کھائی تو وہ قاتلِ رحم اور معذور ہیں، وہ آج سے سو سو سال پہلے کے انسان ہیں۔ وہ جس سائنس کی عقل پرستی سے مرعوب تھے اس سائنس کے، جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا، مقدمات (premises) بدل گئے۔ لیکن تعجب اور حیرت تو ان لوگوں کی حالت پر ہوتی ہے جو سرسید کے فکر پر آج بھی اپنی دکانیں چکا رہے ہیں۔ یہ مقلدِ محض ہیں۔ ان کے پاس تو درحقیقت عقلِ عام نام کی شے بھی نہیں ہے کہ ان کو اندازہ ہو کہ ہم کس دور میں سو ڈیڑھ سو سال پہلے کی عقلیت پرستی کی بات کر رہے ہیں۔

یہ آئن سٹائن کی فزکس کا دور ہے۔ ڈیڑھ دو سو سال پہلے کی فزکس کے مقدمات تبدیل ہو چکے ہیں۔ اب matter (مادہ) حتمی، قطعی اور ناقابلِ تردید اور مستحکم نہیں رہا۔ اب سائنس یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ نظری اعتبار سے تسلیم کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی مادی جسم نور کی رفتار کے ساتھ حرکت کرے گا تو اس کے لئے وقت نہیں گزرے گا۔ حساب نے یہ ثابت کر دیا ہے، اگرچہ ابھی ہم اس کا صحیح تصور نہیں کر سکتے۔ سب سے زیادہ رفتاریں انسان کے سامنے دو تھیں: ایک آواز کی رفتار اور دوسری روشنی کی رفتار۔ آواز کی رفتار سے تو انسان آگے گزر گیا ہے۔ پہلے بندوق کی گولی آواز سے تیز جاتی تھی۔ گولی پہلے لگتی تھی، آواز بعد میں آتی تھی۔ لیکن اب تو سپر سائیک جیٹس ہیں۔ آواز سے کہیں زیادہ ان کی اپنی رفتار ہے۔ اب صرف ایک رفتار رہ گئی ہے اور وہ ہے نور یا روشنی کی رفتار۔ اگرچہ ایک مادی جسم کے لئے اس رفتار تک پہنچنا یا اس سے تیز سفر کرنا عموماً ناممکن قرار دیا جاتا ہے، تاہم طبیعیات کے حلقوں میں یہ امور اب اس قدر محال نہیں سمجھے جاتے جتنے یہ ایک صدی پہلے تھے۔ صرف فرق ہے انسانی قدرت اور اللہ کی قدرت کا جس کی طرف اشارہ کر کے بات شروع کی گئی کہ ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْسَ اَمِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا﴾ ”پاک ہے وہ ذات جو راتوں رات لے گئی اپنے بندے کو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک۔“

آیہ اسراء کی تشریح و توضیح

آیت زیر مطالعہ میں پہلی قائل توجہ بات لفظ ”سبحان“ ہے۔ یعنی جو ہستی اس فعل (اسراء) کی فاعل حقیقی ہے وہ ”سُبْحٰنَ“ ذات ہے۔ اگر یہ بات کسی انسان کی طرف منسوب ہوتی تو بات اور تھی۔ اگر یہ فعل حضور ﷺ کی طرف منسوب ہوتا کہ حضورؐ خود تشریف لے گئے تو اور بات تھی۔ لیکن وہاں تو صورت بالفعل یہ تھی: ”کہ میں آیا نہیں، لایا گیا ہوں“..... حضورؐ خود نہیں گئے، لے جائے گئے تھے۔ اور لے جانے والی ذات کون ہے؟ ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ﴾..... ﴿--- جو پاک ہے ہر عیب سے، ہر نقص سے، ہر ضعف سے، ہر کوتاہی سے، ہر در ماندگی سے۔ اور وہ ذات سُبْحٰن ہے، منزہ ہے، ارفع ہے، اعلیٰ ہے، بلا ترین ہے۔ لہذا اس کی قدرت سے ہرگز بعید نہیں کہ وہ اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور پھر مسجد اقصیٰ سے سدرۃ المنتہیٰ تک لے جائے اور واپس لے آئے اور مسجد حرام میں پہنچا دے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ حضور ﷺ کی مراجعت پر وضو کا پانی ابھی بہہ رہا تھا اور حضورؐ کے مکان کے دروازے کی کنڈی ابھی مل رہی تھی۔ معلوم ہوا کہ ابھی وقت نہیں گزرا، اور یہ چیز جیسا کہ میں نے عرض کیا، آج کا جو ذہن ہے اس کی رو سے بھی ناقابل قیاس اور ناقابل یقین نہیں رہی۔

۱۔ اس موقع پر اس عاجز کو مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ کی ”معراج“ کے موضوع پر کی گئی ایک تقریر کا وہ حصہ اچانک یاد آ گیا جو اسی مسئلہ سے متعلق تھا۔ یہ تقریر اس عاجز نے نوجوانی کے دور میں سنی تھی۔ ایک مسجد میں تقریر تھی۔ اس زمانے میں عموماً وقت بتانے والے وہ گھنٹے ہوا کرتے تھے جو چابی اور pendulum (نگر) سے چلتے تھے۔ مولانا مرحوم جب تقریر میں اس موضوع پر آئے تو انہوں نے ایک بڑی پیاری مثال سے اس مسئلہ کو سمجھایا۔ انہوں نے فرمایا کہ ”آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ اس گھنٹہ میں چابی بھری ہوئی ہے لیکن یہ گھنٹہ پنڈولم کے رقص کی بدولت چل رہا ہے اور وقت بتا رہا ہے۔ اس وقت اس میں گیارہ بج رہے ہیں۔ اب اگر میں اس کو روک دوں تو یہ گیارہ بجے کے وقت پر رک جائے گا۔ بعد ازاں ایک یا دو دن یا چند ہفتوں یا چند مہینوں کے

دوسری قاتل توجہ بات ہے لفظ ”عبد“۔۔۔ ایک اس پہلو سے کہ لفظ عبد کا اطلاق صرف روح پر نہیں بلکہ روح اور جسد دونوں پر ہو گا۔ ہم عبد ہیں، صرف ہماری روح کو عبد نہیں کہا جائے گا۔ ہم اپنی روح کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے تو روح محمد علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی حقیقت کو کیا سمجھ سکیں گے بلکہ جان لیجئے کہ عبد کا اطلاق اکثر و بیشتر تو جسد پر ہو گا۔ اس صراحت سے یہ اضافی بات معلوم ہوئی کہ صرف روح محمد ﷺ نہیں لے جاتی مگر بلکہ بنفس نفیس حضرت محمد رسول اللہ ﷺ لے جائے گئے۔ اور ”محمد ﷺ“ کا اطلاق روح محمدی اور آپ کے جسد شریف دونوں کے مجموعے پر ہو گا۔ صرف روح پر نہیں ہو گا۔

عبدیت و رسالت میں فرق مراتب : تیسری بات جو بہت قاتل لحاظ ہے وہ یہ ہے کہ یہ جو مقام عروج ہے جس کا ذکر سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں ہو رہا ہے اس

بعد اس پینڈولم کو حرکت دی جائے تو یہ ٹھیک گیارہ بجے سے جہاں اسے روکا گیا تھا حرکت میں آجائے گا۔ مولانا نے یہ مثال دے کر آگے فرمایا کہ ”ہم جس اللہ کو مانتے ہیں وہ ”علیٰ کلّ شئٍ قد ہو“ ہے اور اس کائنات کے رواں دواں رہنے میں ہر لحظہ اور ہر آن اسی کا حکم کار فرما ہے ”لَمْ يَخْلُقْ وَلَا أَمْرًا“۔ اب جبکہ اس نے اپنے بندے محمد رسول اللہ ﷺ کو معراج عطا فرمایا تو اس نے کائنات کو معطل (suspend) ہونے کا حکم دیا۔ چنانچہ ہر چیز کی حرکت اسی جگہ رک گئی۔ بعد اللہ تعالیٰ سبحانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جہاں آپ کی امامت میں تمام انبیاء و رسل نے نماز پڑھی جو گویا علامت تھی اس بات کی کہ آپ سید الانبیاء و رسل ہیں۔ اس کے بعد آپ حضرت جبرائیل کی معیت میں یکے بعد دیگرے ساتوں آسمانوں پر اور پھر سدرة المنتہی تک تشریف لے گئے۔ آپ کو جنت اور دوزخ کی سیر کرائی گئی۔ اس کے بعد حضور کو واپس اپنے مستقر پر بھیج دیا گیا اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم سے کائنات پھر رواں دواں ہو گئی۔ چنانچہ جو چیز جس مقام پر روک دی گئی تھی اسی جگہ اس نے حرکت شروع کر دی۔ مولانا نے فرمایا کہ ”یہ ایک عقلی توجیہ ہے اس بات کی کہ حضور کی واپسی پر کنڈی مل رہی تھی وضو کا پانی بہہ رہا تھا اور بستر میں حرارت موجود تھی۔“ (ج۔ ر)

میں حضور ﷺ کی دو نسبتوں میں سے جس کا حوالہ دیا جا رہا ہے، وہ نسبت رسالت نہیں ہے، بلکہ نسبتِ عبدیت ہے۔ ویسے بھی عام طور پر قرآن مجید میں جہاں اللہ تعالیٰ کی عنایتِ خصوصی اور شفقتِ خصوصی کا اظہار ہوتا ہے، وہاں آپ ﷺ کی نسبتِ عبدیت کا ذکر ملتا ہے جیسے ہم نے یہاں دیکھا، یا جیسے اگلی سورت الکہف میں ہے:

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا﴾ اور جیسے سورۃ الفرقان میں ہے: ﴿تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا﴾ اسی طریقے سے سورۃ النجم میں ہے: ﴿فَادْخُلِي إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ﴾ اسی طرح یہاں ہے: ﴿سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا﴾

یہاں یہ نکتہ جان لیجئے کہ نسبتِ عبدیت بالاتر ہے نسبتِ رسالت سے۔۔۔ اور اگر اسے صوفیاء کی اصطلاح سے سمجھیں تو وہ یہ ہے کہ نسبتِ عبدیت ایک عروجی نسبت ہے، جبکہ نسبتِ رسالت ایک نزولی نسبت ہے۔ اگر آپ اس امر کو ذہن میں رکھیں گے تو بات آسانی سے سمجھ میں آجائے گی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب پہلی وحی ہوئی یا آپ اللہ تعالیٰ سے مخاطبہ یا مکالمہ سے جو مشرف ہوئے تو آپ کوہ طور پر تھے، بلند مقام پر تھے۔ اور اس سے اعلیٰ مقام کیا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ گفتگو ہو رہی ہے، درمیان میں کوئی واسطہ حائل نہیں ہے۔ قرآن حکیم کے الفاظ ہیں: ﴿وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا﴾ ”اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے کلام فرمایا جیسے کہ کلام کیا جاتا ہے۔“ یہاں موسیٰ کیا ہیں؟ عبد ہیں اور جب رسالت کا حکم ملا تو فرمایا گیا: ﴿إِذْ هَبْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ أَنَّهُ ظَغْنَىٰ﴾ ”جاؤ فرعون کی طرف، بے شک وہ بہت سرکش ہو گیا ہے۔“ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام پہاڑ سے اتریں گے تو فرعون کی طرف جائیں گے۔ کسی کے پاس سے کوئی جاتا ہے تو اس کی طرف پیٹھ کر کے جاتا ہے، جبکہ اس کے سامنے دست بستہ کھڑا ہوتا ہے تو اس کے حضور میں ہے، مواجہہ کر رہا ہے، Face to Face ہے۔ تو غور کیجئے کہ کوئی نسبت بالاتر ہوئی!۔ ظاہر ہے کہ نسبتِ عبدیت، جس میں رخ اللہ کی طرف ہوتا

ہے۔ جبکہ رسالت ایک فرض منہی ہے کہ جاؤ ادا کرو۔ اس کا رخ مخلوق کی طرف ہوتا ہے۔ مولانا رومؒ نے اس کو ایک تمثیل کے پیرائے میں بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ اصل میں ان حقائق کو جاننے والے یہ صوفیاء ہی ہیں، یہ نہ فقراء کا دائرہ ہے نہ محدثین کی دلچسپی کا میدان۔ اس لئے کہ ہر ایک کے اپنے اپنے دائرے ہیں اور ان دائروں میں سب نے اپنے اپنے کام کئے ہیں۔ یہ تمام اصحاب ہمارے محسن ہیں، لیکن ہر طبقے کا اپنا اپنا ذوق اور اپنا اپنا میدان (Field) ہے۔ چنانچہ عبدیت و رسالت میں فرق مراتب ہمارے صوفیاء نے قائم کیا ہے۔ مولانا رومؒ نے اس کے لئے بارش کی مثال دی ہے۔ ہماری دنیا میں بارش کا جو نظام چل رہا ہے وہ یہ ہے کہ سمندر سے بخارات اٹھ رہے ہیں۔ یہ عروج ہے۔ بخارات نہایت لطیف حالت میں ہیں، نہایت پاک و صاف ہیں۔ اس عمل تبخیر کے ذریعے تطہیر ہو رہی ہے۔ پانی کو بھاپ بنایا جا رہا ہے۔ اس میں ظاہر ہے کثافت تو ساتھ نہیں جائے گی۔ پانی انتہائی لطیف اور پاک و صاف صورت میں اوپر جا رہا ہے۔ اوپر جا کر ان بخارات نے بادلوں کی شکل اختیار کر لی۔ ہواؤں کے دوش پر یہ بادل فضا میں تیرتے ہیں۔ پھر بارش بن کر وہی پانی زمین پر نازل ہو رہا ہے۔ اب اس نزول بارش سے کیا ہو گا! پہلے وہ پانی فضا کو دھوئے گا۔ اس عمل میں فضا کی کچھ نہ کچھ کثافت برستے پانی میں شامل ہو جائے گی۔ پھر وہ بارش زمین تک پہنچے گی اور زمین کو دھوئے گی۔ اس مرحلے پر کچھ مزید کثافتیں اس میں شامل ہو جائیں گی۔ یہ پانی ندیوں، نالوں اور دریاؤں سے ہوتا ہوا پھر سمندر میں پہنچے گا۔ اب وہ ساری کثافتیں سمندر میں رہ جائیں گی اور پھر وہی پانی لطیف اور پاک و صاف ہو کر بخارات کی صورت میں آسمان کی طرف اٹھ جائے گا۔ یہ عروج ہے اور وہ نزول ہے۔ نزول سے فضا اور زمین کی صفائی ہو رہی ہے جبکہ عروج میں پانی کی اپنی صفائی ہوتی ہے۔

عروج و نزول کا یہی سائیکل عبدیت و رسالت کے مابین چلتا ہے۔ رات کو اللہ کا بندہ اس کے حضور میں کھڑا ہے۔ یہ کس کی صفائی ہے! اپنی۔۔۔ کس چیز سے صفائی! یہ میں بعد عرض کروں گا۔ اس کو کہیں اپنی کثافتوں پر قیاس نہ کر لیجئے گا۔ وہ کثافتیں ان ہستیوں کے

کہیں آس پاس بھی نہیں ہوتیں۔ ع۔ مگر حفظ مراتب نہ کئی زندگی ”لیکن دن کے لئے کیا حکم ہے اب نزول کا مرحلہ ہے۔ جلاؤ لوگوں کی طرف، انہیں اللہ کا پیغام پہنچاؤ، ان کو اللہ کے راستے کی طرف پکارو۔ یہ کام منصب رسالت سے تعلق رکھتا ہے۔ مکہ کے مشرکانہ ماحول میں نبی اکرم ﷺ توحید کی دعوت پہنچا رہے ہیں۔ بمعوں میں قرآن پیش فرما رہے ہیں گھروں پر دستک دے رہے ہیں، در بدر تشریف لے جا رہے ہیں۔ لیکن ہو کیا رہا ہے؟ یہی کہ کسی نے استہزا اور تمسخر کیا، کسی نے گالی دے دی، کسی نے شاعر کہا، کسی نے مجنون و دیوانہ کہا تو کسی نے ساحر اور جادوگر کہہ دیا، کسی نے کاہن کہہ دیا۔ ان باتوں سے قلب محمد ﷺ میں کچھ کدورت پیدا ہوتی ہوگی یا نہیں؟۔ آپ کی طبع مبارک کو رنج پہنچتا ہو گا یا نہیں؟ یہ اثرات بالکل مترتب نہ ہوں، یہ ناممکن ہے۔ اسی لئے تو قرآن مجید میں مختلف اسالیب سے حضور ﷺ کو تسلی دی جاتی رہی ہے، جیسے فرمایا گیا: ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ﴾ ”ہمیں بخوبی علم ہے کہ آپ کی طبیعت پر ان کی باتوں سے ٹکدر پیدا ہوتا ہے، آپ طویل اور عمکین ہوتے ہیں۔“ اور: ﴿ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ مَا أَنْتَ بِمُعْجِزٍ لَّنْ بِمُحْضِنُونَ﴾ ”ن۔ قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی جسے لکھنے والے لکھ رہے ہیں (یعنی قرآن) آپ (اے محمد ﷺ) اپنے رب کے فضل سے ہرگز مجنون نہیں ہیں۔“ چنانچہ نبی اکرم ﷺ کو ایک طرف تسلی دی جا رہی ہے۔ اور دوسری طرف جو ٹکدر آپ کے دل پر آگیا ہے اسے دور کرنے کے لئے حکم ہو رہا ہے کہ راتوں کو کھڑا رہا کیجئے:

﴿يَا أَيُّهَا الْمَرْمِلُ ۝ قُمْ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ تَصِفْهُ أَوْ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ۝ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۝ إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا﴾ (الزل: ۱-۵)

”اے لفاف اوڑھ کر لیٹنے والے! آپ رات کو (نماز میں) کھڑے رہا کریں مگر کم۔ آپ آدمی رات یا اس سے کچھ کم کر لیں یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا دیں۔ اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر (حالت قیام میں) پڑھا کریں۔ ہم آپ پر

ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں

وَكَيْلًا ۝ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا ۝

(النزل : ۱۰۶)

”(اے نبی) درحقیقت رات کا اٹھنا نفس پر قابو پانے کے لئے بہت کارگر اور قرآن ٹھیک پڑھنے کے لئے زیادہ موزوں ہے۔ بلاشبہ آپ کے لئے دن میں (تبلیغ کی) بڑی مصروفیات ہیں (بڑی محنت اور مشقت ہے، لیکن اس میں بھی) اپنے رب کے نام کا ذکر کیجئے اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہئے۔ وہ (اللہ) مشرق و مغرب کا مالک ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، لہذا اسی کو اپنا پشت پناہ بنائیے (اسی پر بھروسہ کیجئے) اور (اے نبی آپ کی دعوت پر) لوگ جو باتیں بتا رہے ہیں ان پر صبر کیجئے اور ان سے خوش اسلوبی کے ساتھ کنارہ کش ہو جائیے۔“

طنز و استہزا اور طعن و تشنیع کے گھلاؤ بڑے کاری ہوتے ہیں۔ ان کو بھیلنا آسان نہیں۔ اس سے طبیعت مبارک پر جو حکمر آتا تھا اس کا ازالہ اس وقت ہوتا تھا جب ”عبدہ“ نسبتِ عبدیت کے اعتبار سے رات کی تنہائیوں میں اپنے رب کے حضور کھڑا

ہوتا تھا اور حالت عروجی کی کیفیات سے بہرہ مند ہوتا تھا۔ تو یہاں لفظ ”عبد“ کے حوالے سے ان حقائق کو ذہن نشین کر لیجئے۔

چند وضاحت طلب پہلو : زیر نظر آیت کے اس حصے ﴿مُسْبَحْنَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا﴾ میں دو مزید الفاظ وضاحت طلب ہیں، ایک ”أَسْرَى“ اور دوسرا ”لَيْلًا“۔ عربی میں ”اسراء“ کے معنی ہیں راتوں رات لے جانا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں سورۃ الشعراء کی آیت نمبر ۵۲ میں یہی لفظ آیا ہے : ﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعَبِيدِكَ إِنَّكَ مُمْتَعِنٌ ۝﴾ ”اور ہم نے موسیٰ کو وحی بھیجی کہ (اے موسیٰ) راتوں رات میرے بندوں کو لے کر نکل جاؤ، تمہارا بیچھا کیا جائے گا۔“ تو حضورؐ کے لئے بھی یہی لفظ آیا ہے : ﴿مُسْبَحْنَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ﴾۔۔۔ اس کے بعد ”لَيْلًا“ کیوں آیا، جبکہ ”أَسْرَى“ میں ”راتوں رات“ کا مفہوم و معنی شامل ہیں؟ یہ اس لئے کہ سفر معراج میں پوری رات نہیں گئی تھی، بلکہ رات کا ایک نہایت قلیل نہایت مختصر حصہ صرف ہوا تھا۔ اسی لئے ”لَيْلًا“ کا ترجمہ ”رات کا ایک حصہ“ کیا جاتا ہے : ﴿مُسْبَحْنَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا الَّذِي بَرَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنَ الْإِيمَانِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝﴾ ”پاک ہے وہ ذات جو نے گئی راتوں رات اپنے بندے کو شب کے ایک حصے میں، مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک، جس کے ماحول کو ہم نے بابرکت بنایا ہے، تاکہ ہم (اپنے) اس (بندے) کو اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرا سکیں۔ یقیناً سب کچھ سننے (اور) دیکھنے والا تو وہی (اللہ تعالیٰ) ہے۔“

اب دوبارہ ترجمے سے پوری بات آپ کے سامنے بالکل واضح ہو کر آگئی ہوگی۔ اب دو باتیں وضاحت طلب رہ گئیں، ایک تو یہ کہ کونسی نشانیاں حضورؐ کو دکھائی گئیں ادہ میں آپ کو آگے چل کر احادیث کے حوالے سے بتاؤں گا۔ اس لئے کہ ان کا ذکر احادیث میں بصرات موجود ہے۔ دوسرے اس آیت کا آخری کلام ﴿إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ ہے یعنی ”سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا تو صرف اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔“ یہ دراصل اس کے علم کامل کی شرح ہے۔ یہاں حصر کا اسلوب ہے۔ یعنی اس کے سوا یہ

وصف کسی اور میں ہے ہی نہیں، چاہے وہ ملائکہ ہوں، انبیاء و رسل ہوں یا اولیاء ہوں۔
البتہ یہ اس کو اختیار ہے کہ وہ اپنے علم میں سے جتنا جس کو چاہے عطا فرمادے، اپنی سماعت
میں سے جتنا حصہ چاہے کسی کو مرحمت فرمادے، اپنی بصارت میں سے جتنا چاہے کسی پر
فیضان فرمادے۔ یہ اسی کو اختیار ہے: ﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا
بِمَا شَاءَ﴾ اور وہ ”اللہ کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے ماسوائے اس کے جو
وہ خود چاہے۔“ اور ﴿مُبَاحٌ لَّكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمُنَا﴾ ”(اے اللہ) تو پاک
ہے اور ہمیں کوئی علم حاصل نہیں ہے مگر وہ جو تو نے ہمیں سکھایا۔“ یہ ملائکہ کا قول نقل
ہوا۔ پس فرشتوں کے علم کی نوعیت بھی یہی ہے اور انبیاء و رسل کے علم کی کیفیت بھی
یہی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا، اتنا ہی ان کو علم ہے۔ باقی سب کچھ سننے والا، سب کچھ
دیکھنے والا، سب کچھ جاننے والا صرف اللہ تبارک و تعالیٰ سبحانہ ہی ہے۔

واقعہ معراج - حدیث نبویؐ کے آئینے میں

اب میں چاہتا ہوں کہ پورا واقعہ معراج آپ کو اس حدیث کے حوالے سے سادوں
جو متفق علیہ ہے۔ میں خود بیان کروں گا تو کچھ نہ کچھ کی بیشی کا احتمال ہے۔ یہ ہماری خوش
قسمتی ہے کہ واقعہ معراج اپنی پوری تفصیل کے ساتھ حدیث کی شکل میں ہمارے پاس
محفوظ ہے اور حدیث بھی دوسرے یا تیسرے طبقے کی کتابوں کی نہیں ہے، بلکہ متفق علیہ
ہے، جس کا پایہ، جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں، روایت اور سند کے اعتبار سے تقریباً قرآن
مجید کے برابر ہے۔ اس حدیث کے راوی حضرت مالک بن معمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔
ان کے بارے میں ایک بڑی اہم بات نوٹ کر لیجئے کہ یہ انصاری صحابی ہیں اور ان صحابہؓ
میں سے ہیں جنہیں حدیث بیان کرنے کا زیادہ شوق نہ رہا ہو۔ غالباً یہ واحد حدیث ہے جو
ان سے مروی ہے۔ ان کو اس حدیث سے نہایت شغف تھا، انہوں نے اس کو نہایت
محبت کے ساتھ محفوظ کیا تھا اور اس کے ایک ایک لفظ کی حفاظت کی تھی۔ چنانچہ بعض
دوسرے صحابہ کرامؓ جنہوں نے خود نبی اکرم ﷺ سے یہ واقعہ سنا ہوا تھا، جیسے حضرت

انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ بھی ان کی خدمت میں خاص طور پر حاضر ہو کر اس روایت کو سنتے تھے۔ اس لئے کہ اس روایت میں ان کا ورہ بہت بلند ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری اپنی صحیح بخاری میں ”عن قتادة عن انس بن مالک عن مالک بن صعصعة“ کی اسناد سے روایت کرتے ہیں۔ مسلم شریف میں یہ روایت حضرت انس بن مالک سے براہ راست مروی بھی موجود ہے۔ ہم اس روایت کا لفظ بہ لفظ مطالعہ کرتے ہیں۔ اس سے ان شاء اللہ العزیز اس ضمن میں بہت سے اشکالات دور ہو جائیں گے۔ حدیث یہ ہے :

عن مالک بن صعصعة رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَهُمْ عَنْ لَيْلَةِ أُسْرِيَ بِهِ «حَدَّثَ مَالِكُ بْنُ مَعْمَرٍ رضی اللہ عنہ رَوَايَتَ كَرْتِے هِے كِه نَبِی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہمیں وہ حالات و واقعات سنائے جو اس رات پیش آئے، جس رات کو آپؐ کو لے جایا گیا» یعنی واقعہ معراج بیان فرمایا۔ اب دیکھئے یہ مرفوع حدیث ہو گئی۔ آگے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : ((بَيْنَمَا أَنَا فِي الْحَاطِيمِ - وَرَمَا قَالَ فِي الْحِجْرِ - مُضْطَجِعًا إِذْ أَنَا نِيَّ آتَانِي آتٍ)) "اس اثنا میں کہ میں حطیم میں تھا۔ یا شاید حجر کا لفظ ارشاد فرمایا۔ (حجر بھی حطیم کے ایک حصے کو کہتے ہیں) میں لیٹا ہوا تھا کہ اچانک میرے پاس ایک آنے والا آیا۔" یہ آنے والے کون ہیں؟ یہ حضرت جبرائیلؑ ہیں۔ یہ آگے واضح ہو جائے گا۔ ((فَشَقَّ مَا بَيْنَ هَذِهِ إِلَى هَذِهِ [مِنْ ثَغْرَةٍ نَحَرِهِ إِلَى شِعْرَتِهِ] فَأَسْتَخْرَجَ قَلْبِي)) "حضورؑ نے اشارہ فرمایا کہ "اس نے یہاں سے وہاں تک میرا سینہ چاک کیا۔" یعنی خلق کے گڑھے سے لے کر ناف تک۔ پھر میرا دل نکلا۔" ((ثُمَّ أُتِيتُ بِطُسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ مَمْلُوءَةٍ إِيْمَانًا فَغَسِلَ قَلْبِي)) "پھر ایک سنہری طشت لایا گیا جو ایمان سے بھرا ہوا تھا، پھر اس سے میرا دل دھویا گیا۔" وفی رواية: ثُمَّ غَسِلَ الْبَطْنُ بِمَاءٍ زَمْزَمٍ ثُمَّ مُلِئَ إِيْمَانًا وَحِكْمَةً "اور ایک روایت میں آتا ہے کہ اسی طرح پیٹ کو بھی زمزم سے دھویا گیا اور اس میں ایمان و حکمت بھر دیئے گئے۔" ((ثُمَّ أُتِيتُ

بِدَابَّةٍ دُونَ الْبَغْلِ فَوْقَ الْحِمَارِ أَبْيَضُ يُقَالُ لَهُ الْبُرَاقُ» پھر میرے پاس ایک چوپایہ لایا گیا جو ٹھہرے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا، وہ بالکل سفید تھا اس کا نام بُراق ہے۔ «يَضَعُ خَطْوَهُ عِنْدَ أَقْصَى طَرَفِهِ» اس کا ہر قدم اس کی حدِ نگاہ تک پڑتا تھا۔ «فَحَمِلْتُ عَلَيْهِ» پھر مجھے اس پر سوار کیا گیا۔ «ثُمَّ انْطَلَقَ بِسِيْرِهِ حَتَّى أَتَى مَجْمَعَ سَبْعِ مَمَازٍ بِرَحْلَيْهِ» اور پھر حضرت جبرائیلؑ کے مجھے بتایا کہ آپؐ کی اقتداء میں نماز ادا کرنے والے وہ تمام انبیاء ہیں جو دنیا میں مبعوث ہوئے اور آج آپؐ نے ان سب کی لامت کی۔ یہ علامت ہے نبی اکرم ﷺ کے سید الانبیاء والمرسلین ہونے کی۔ پھر یہاں سے آسمانی سفر کا آغاز ہوا۔

اب پھر اسی روایت کا سلسلہ جوڑتے ہیں جو بیان ہو رہی تھی۔ حضورؐ حضرت جبرائیلؑ کے ساتھ پہلے آسمان پر پہنچے تو حضرت جبرائیلؑ نے دستک دی۔ «فَاسْتَفْتَحَ» پس اس نے دروازہ کھلوانا چاہا۔ «(قِيلَ: مَنْ هَذَا؟ قَالَ: رَبِّكَ جِبْرِيلُ)» پوچھا گیا: کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا: جبرائیلؑ۔ «(قِيلَ: وَمَنْ مَعَكَ؟)» پوچھا گیا: آپ کے ساتھ کون ہے؟۔ یہاں یہ بات ذہن میں رکھئے گا کہ اس امکان کو مسترد نہیں کیا جاسکتا کہ آسمان اول کے دروازے پر تعینات فرشتوں کو معلوم

ہو، پھر بھی پوچھ رہے ہوں۔ قانون قانون ہے، لہذا دروازے پر دستک دینی ہوگی اور شناخت کرانی ہوگی۔ کوئی جج اپنے علم کی بنیاد پر کبھی فیصلہ نہیں دے گا۔ فیصلہ تو مقدمے کی سماعت اور شہادتوں کی بنیاد پر ہی ہو گا۔ کسی جج کو کسی واقعے کا ذاتی علم ہے تو بھی اسے مقدمہ کسی عدالت کو منتقل کرنا ہو گا اور وہاں گواہ کی حیثیت سے پیش ہونا ہو گا۔ پس قانون قانون ہے۔ ”پوچھا گیا ساتھ کون ہے؟“ (قال: مُحَمَّدٌ) ”حضرت جبرائیلؑ نے جواب دیا محمد (ﷺ)“ (قِيلَ: وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ) ”پوچھا گیا: کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں۔“ (قِيلَ: مَرْحَبًا بِهِ، فَنِعْمَ الْمَجِيءُ، جَاءَ، فَفَتَحَ) ”اس کے بعد کہا گیا: مرحبا ہے ان کے لئے (تمنیت ہے، مبارک باد ہے، خوش آمدید ہے) کیا ہی اچھے ہیں جو لائے گئے ہیں۔ پھر سلام دنیا کا دروازہ کھولا گیا۔“ (فَلَمَّا خَلَصْتُ فَإِذَا فِيهَا آدَمُ) ”پھر جب میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا وہاں آدمؑ تشریف فرما ہیں۔“ (فَقَالَ: هَذَا ابْنُكَ آدَمُ، فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، فَسَلَّمَ عَلَيْهِ) ”جبرائیلؑ نے کہا: یہ آپؑ کے جدِ امجد حضرت آدمؑ ہیں، پس آپؑ ان کو سلام کیجئے، تو میں نے ان کو سلام کیا۔“ (فَرَدَّ السَّلَامَ) ”ثم قال: مَرْحَبًا يَا لَابِنَ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ“ ”انہوں نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: خوش آمدید ہے (تمنیت ہے) صلح بیٹے اور صلح نبی کے لئے۔“ (اَنَّمْ صَعِدَ بِي حَتَّى اتَى السَّمَاءَ الثَّانِيَةَ) ”پھر جبرائیلؑ مجھے لے کر اور اوپر گئے یہاں تک کہ دوسرے آسمان تک پہنچ گئے۔“ یہاں بھی وہی سوال و جواب ہوئے، (فَأَسْتَفْتَحَ، قِيلَ: مَنْ هَذَا؟ قَالَ جِبْرِيلُ، قِيلَ: وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ) (قِيلَ: وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قِيلَ: مَرْحَبًا بِهِ، فَنِعْمَ الْمَجِيءُ، جَاءَ، فَفَتَحَ) اس ساری عبارت کا ترجمہ ہم پہلے کر چکے ہیں۔ (فَلَمَّا خَلَصْتُ فَإِذَا يَحْيَى وَعِيسَى وَهُمَا ابْنَا خَالَتِي، قَالَ: هَذَا يَحْيَى وَعِيسَى، فَسَلِّمْ عَلَيْهِمَا، فَسَلَّمْتُ، فَرَدَّا، ثُمَّ قَالَ: مَرْحَبًا يَا أَخَا الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ) ”پھر جب میں (دوسرے آسمان میں) داخل ہوا تو وہاں یحییٰؑ اور عیسیٰؑ تھے اور یہ دونوں آپس

میں خلع زاد بھائی ہیں۔ جبریلؑ نے کہا: یہ بچی اور عیسیٰ ہیں، ان کو سلام کیجئے، تو میں نے سلام کیا، پھر انہوں نے مجھے سلام کا جواب دیا اور کہا: خوش آمدید، مرحبا صلح بھائی اور صلح نبی کو۔ یہاں غور کیجئے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے حضور ﷺ کا استقبال ”بیٹا“ کہہ کر کیا جبکہ حضرت بچی اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے ”بھائی“ کہہ کر خیر مقدم کیا۔ یہ اس لئے کہ حضرت آدمؑ تو کل بنی نوع انسان کے جدِ امجد ہیں، جبکہ حضرت بچی اور عیسیٰ علیہما السلام بنی اسرائیل میں سے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، چنانچہ وہ بیٹا کہنے کے بجائے ”بھائی“ کہتے ہیں۔ اسی طرح آگے حضرات یوسفؑ، موسیٰؑ اور ہارونؑ آپ کو بھائی کہیں گے اور آگے حضرت ابراہیمؑ بیٹا کہیں گے، کیونکہ آنحضور ﷺ ان کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے ہیں۔

آگے چلے، نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں: ((ثُمَّ صَعِدَ بَنِي إِلَى السَّمَاءِ الشَّالِثَةِ، فَاسْتَفْتَحَ، قِيلَ: مَنْ هَذَا؟ قَالَ: جِبْرِيلُ، قِيلَ: وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ: مُوسَى، قِيلَ: وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قِيلَ: مَرْحَبًا بِهِ، فَنَعِمَ الْمَجِيءُ، جَاءَ، فَفَتَحَ، فَلَمَّا خَلَصْتُ فَاذَا يُوسُفُ، قَالَ: هَذَا يُوسُفُ، فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، فَرَدَّ، ثُمَّ قَالَ: مَرْحَبًا بِالْآخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ)) یعنی تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور وہی مکالمہ ہوا۔

اسی طرح چوتھے آسمان پر حضرت اور لیس علیہ السلام سے، پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام سے اور چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ حضرت موسیٰؑ سے ملاقات کا ذکر حدیث میں اس طرح ہے کہ سلام کے تبادلہ کے بعد ((فَلَمَّا جَاوَزْتُهُ بَكَيْتُ)) ”جب میں آگے جانے لگا تو موسیٰؑ رونے لگے۔“ ((قِيلَ لَهُ: مَا يُبْكِيكَ؟)) ”ان سے پوچھا گیا: آپ کو کیا چیز رلا رہی ہے؟“ ((قَالَ: أَبْكِي، لِأَنَّ

غَلَامًا بُعِثَ بَعْدِي يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أَمْتِهِ أَكْثَرَ مِمَّنْ يَدْخُلُهَا مِنْ أَمْتِي» "موسیٰ" نے کہا کہ مجھے اس بات پر رونا آ رہا ہے کہ یہ جوان (محمد ﷺ) جن کی بعثت میرے بہت بعد ہوئی ہے (اس کے بلوغت ان کی امت سے جنت میں داخل ہونے والوں کی تعداد میری امت کے مقابلے میں بہت زیادہ ہوگی۔ "وہ شفقت و الفت جو کسی نبی کو اپنی امت سے ہونی چاہئے یہ اس کا کمال و تمام اظہار ہے۔ اسے معلوم اللہ کسی حسد پر محمول نہ کر لیجئے گا" بلکہ یہ اپنی امت کی محرومی کا احساس ہے جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ کیفیت طاری ہوئی۔

((ثُمَّ صَعِدَ بِي إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ...)) "پھر مجھے ساتویں آسمان پر لے جایا گیا۔" وہاں بھی داخلہ کے لئے فرشتوں سے مکالمہ ہوا۔ "اس آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ ((فَلَمَّا خَلَّصْتُ فَأَذَا اِبْرَاهِيمُ قَالَ : هَذَا اَبُو كَذِّ اِبْرَاهِيمُ، فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، فَرَدَّ السَّلَامَ، ثُمَّ قَالَ : مَرْحَبًا يَا اِبْنِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ)) "پھر جب میں داخل ہوا تو وہاں حضرت ابراہیم تھے۔ جبریل نے کہا: یہ آپ کے جد حضرت ابراہیم ہیں، انہیں سلام کیجئے، چنانچہ میں نے انہیں سلام کیا، جواب میں حضرت ابراہیم نے بھی سلام کہا اور ان الفاظ سے میرا استقبال کیا: خوش آمدید صالح بیٹے اور صالح نبی کے لئے۔" ((ثُمَّ رُفِعْتُ إِلَى سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى)) "پھر مجھے اور بلند کیا گیا سدرۃ المنتہی تک۔" یہاں نوٹ کیجئے "صَعِدَ بِي" کی جگہ "رُفِعْتُ" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اور یہی سدرۃ المنتہی ہے جس کا ذکر سورۃ النجم میں ہوا ہے۔

سورۃ النجم میں مشاہداتِ معراج کا ذکر

میں چاہتا ہوں کہ حدیث کے بیان کی تکمیل سے قبل ہم اس واقعہ سے متعلق سورۃ النجم کی آیات کا مطالعہ بھی کر لیں۔ سورۃ النجم کی ابتدائی آیات مشکلات القرآن میں سے ہیں اور ان کی تفسیر و تشریح میں اختلاف سلف سے چلے آ رہے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کو

یہ پتہ ہوے دیے ہیں کہ انسان کو ان کے اندر حسی انگارے دہٹتے نظر آتے ہیں، ان سے انسان دھوکہ کھا سکتا ہے، حالانکہ انگاروں کا وجود ہی نہیں ہوتا۔ تو ہماری آنکھ دھوکہ کھاتی ہے، لیکن نبیؐ کا جو مشاہدہ ہوتا ہے وہ آنکھ اور دل، نظر و قلب، بصارت و بصیرت کی یکجائی کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس میں فرق و تفاوت اور وسوسہ نہیں ہوتا۔ اسی حقیقت کے اظہار کے لئے نہایت فصاحت و بلاغت اور اعجاز و ایجاز کے ساتھ فرمایا: ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ۖ﴾۔۔۔۔

آگے فرمایا: ﴿الْعَمْرُونُ إِنَّهُ عَلٰی مَا يَرٰی ۚ﴾ ”لوگو! کیا تم ان چیزوں کے بارے میں ان سے جھگڑتے ہو جو وہ دیکھتے ہیں۔“۔ ان چیزوں کے بارے میں تو جھگڑا ہو سکتا ہے جو کہیں سے سنی سنائی ہوں، لیکن تم محمد ﷺ سے ان چیزوں کے بارے میں جھگڑ رہے ہو جو وہ دیکھتے ہیں چشمِ سر سے اور دل کی بصیرت سے۔۔۔ ﴿وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرٰی ۚ﴾ ”اور بلاشبہ ان کا یہ مشاہدہ (پہلی بار نہیں ہوا) ایک مرتبہ پہلے بھی ہو چکا ہے۔“۔ موجودہ مشاہدہ ان کو کہل ہوا؟ ﴿عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی﴾ ”سدرۃ المنتہی کے پاس۔“۔ ﴿عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاوٰی ۚ﴾ ”اسی (سدرۃ المنتہی) کے پاس جنت الملوٰی ہے۔“ وہ جنت جس کا وعدہ کیا گیا ہے اور جو اللہ کے نیکو کار بندوں کا ٹھکانہ بنے گی، جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ جس کے متعلق سورۃ الزمر میں فرمایا گیا: ﴿وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ

عَلَيْكُمْ طِبْنُمْ فَادْخُلُوهَا غَالِدِينَ ۝“ اور جنت کے داروغہ ان (کو کا روں) سے کہیں گے کہ سلامتی ہو تم پر، تم بہت خوش بخت رہے، داخل ہو جاؤ اس (جنت) میں بیشہ بیش کے لئے۔“ یہاں نوٹ کر لیجئے کہ اعلیٰ میں معراج کے موقع پر جنت کے مشاہدات کے جو احوال آئے ہیں، وہ جنت وہیں تو ہے۔ ان آیات میں ان احوال کا ذکر نہیں ہے۔

”سدرہ“ عربی زبان میں پیری کے درخت کو کہتے ہیں۔ لفظ ”فتی“ انتہا سے بنا ہے، جس کا مفہوم وہ جگہ اور مقام ہے جہاں جا کر کوئی چیز ختم ہو جائے۔ یہ ”سدرۃ المنتہی“ یا ہے اس کا سمجھنا ہمارے لئے ممکن نہیں۔ اس کے حلق میں آگے چل کر کچھ عرض کروں گا۔ قرآن مجید نے یہاں ایسا انداز اختیار کیا ہے کہ ہر شخص اس اسلوب سے یہ جان لے کہ یہ میرے فہم سے بالاتر ہے۔ یہ فتی کس اعتبار سے ہے، اب اس کو سمجھنا چاہئے۔ یہ اس اعتبار سے ”فتی“ ہے کہ یہاں سے آگے مخلوق کا گزر نہیں ہے۔ یہ انتہا ہے۔ یہاں سے آگے حضرت جبرائیلؑ بھی نہیں جاسکتے۔ اور نوٹ کیجئے کہ اس سے آگے جانے کا کہیں محمدؐ کا بھی ذکر نہیں ہے۔ یہ صرف ہماری شاعری میں ہے کہ حضورؐ اس سے بھی آگے گزر گئے۔ لیکن اس کا قرآن مجید میں اور اعلیٰ شریفہ میں کہیں ذکر نہیں ہے۔ نبی اکرمؐ بھی یہیں تک گئے ہیں۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھئے کہ اس بارے میں بھی وضاحت آئی ہے کہ وحی الہی بھی یہاں نازل ہوتی ہے اور یہاں سے فرشتے لے لیتے ہیں۔ گویا جو چیز بھی عرش الہی سے اترتی ہے، وہ بلا واسطہ اولاً یہیں نازل ہوتی ہے۔ اس سے آگے وہ حریم کبریا ہے جس میں مخلوق کا داخلہ ممکن نہیں ہے۔ عالم خلق کی کوئی شے جو کبھی اوپر آسکتی ہے، وہ زیادہ سے زیادہ یہیں تک آسکتی ہے، اس سے آگے نہیں جاسکتی۔ حضرت جبرائیلؑ کی رسائی بھی یہیں تک ہے۔ لہذا نوٹ کیجئے کہ قرآن مجید نے جو ذکر کیا وہ سدرۃ المنتہی کے آگے یا پار کا نہیں کیا، بلکہ فرمایا: ﴿وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ ۝﴾

آگے فرمایا: ﴿إِذْ يَنْفَسِي السِّدْرَةَ مَا يَنْفَسِي ۝﴾ ”جب کہ اس پیری کے درخت

کو ڈھانپے ہوئے تھا جو ڈھانپے ہوئے تھا۔ یعنی نہ اس کو زبان ادا کر سکتی ہے نہ انسانی زبان میں وہ حروف و الفاظ ہیں جو اس کیفیت کو بیان کر سکیں یا اس کی تعبیر کر سکیں نہ اس کا کوئی تصور انسان کے لئے ممکن ہے۔ جنت کی نعمتوں کے بارے میں ایک حدیث میں آیا ہے: ((لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبٍ بَشِيرٍ)) ”وہ نعمتیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سنیں نہ کسی انسان کے دل پر کبھی ان کا خیال تک آیا۔“ اب انہیں بیان کریں تو کن الفاظ میں کریں ان کا البلاغ و اعلان کیسے ہوا وہ communicate کیسے ہوا۔ البلاغ اور اعلان تو کسی ایسی چیز کے حوالے سے ہوتا ہے جس کا آپ کو تجربہ ہو وہ آپ کی دید یا شنید میں آئی ہو آپ کے ذہن میں اس کا کوئی تصور ہو تو اس کے حوالے سے بات ہو سکتی ہے۔ لہذا یہاں اسلوب اور انداز یہ اختیار کیا گیا کہ: ﴿إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَى﴾ ”جبکہ سردرہ کو ڈھانپے ہوئے تھا جو ڈھانپے ہوا تھا۔“ تجلیات ربانی کس نوعیت اور کس کیفیت کی حامل تھیں اسے سمجھنا انسانی ذہن کے لئے ممکن نہیں، تجلیات کا جو براہ راست نزول ہو رہا تھا اس مہبط تجلیات اور ان کے نزول کا نبی اکرم ﷺ نے مشاہدہ فرمایا۔

معراج اور رؤیت باری تعالیٰ: ہماری شاعری میں بے انتہا مبالغے ہو جایا کرتے ہیں۔ علامہ اقبال جو کچھ بھی تھے بہر حال شاعر بھی تھے اور شاعری میں مبالغہ لازماً ہو جاتا ہے لہذا کہتے ہیں۔

موسیٰ ز ہوش رفت بیک جلوہ صفات

تو عین ذات نی گمری و تبسمی

یعنی ”موسیٰ“ تو ایک جلوہ صفات ہی کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے تھے ﴿عَرِمُوسَى صَبَحًا﴾ جبکہ آپ عین ذات کا مشاہدہ کر رہے ہیں اور تبسم فرما رہے ہیں۔ میرے نزدیک یہ مبالغہ ہے عین ذات کے مشاہدے کا ذکر نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں۔ تاہم اس ضمن میں اختلاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہما سے چلا آ رہا ہے۔ یہ اختلاف سلف میں بھی ہے اور خلف میں بھی۔ لہذا کوئی یہ رائے رکھنا چاہے کہ حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا

دیدار کیا تھا تو رکے۔ میں نے آغاز ہی میں واضح کر دیا تھا کہ اس واقعہ معراج کا بالکل انکار کفر ہوگا، لیکن تفصیلات اور توجیہات و تعلیقات کا اختلاف کفر نہیں ہے۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ شب معراج میں حضور ﷺ نے اللہ کو دیکھا، براہ راست دیدار الہی ہوا۔ لیکن زیادہ قوی رائے یہ ہے کہ ذات باری تعالیٰ کا براہ راست مشاہدہ نہیں ہوا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جب ذکر کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: ”نور“ آتش پُری؟“ ”اللہ تو ایک نور ہے“ اسے دیکھا کیسے جاسکتا ہے؟“ آپ نور کے ذریعے سے کسی اور شے کو دیکھتے ہیں، نور تو نور ہے، اس کو کہاں دیکھا جاسکتا ہے، انوث کیجئے کہ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا: ﴿إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَى ۚ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى ۚ لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى ۝﴾ (النجم: ۱۸-۲۱)

درمیانی آیت کے متعلق تو میں بعد میں عرض کروں گا، پہلے آخری آیت پر غور کیجئے۔ اس میں فرمایا گیا ہے کہ محمد ﷺ نے کیا دیکھا، ”بے شک انہوں نے اپنے رب کی عظیم الشان نشانیوں کو دیکھا“۔ ”کُبْرَى“ اسم تفضیل ہے۔ پس یہاں عظیم ترین آیات ربانیہ کے مشاہدے کا ذکر ہے۔ یعنی محمد ﷺ کو رب کا نہیں، آیات ربانیہ کا مشاہدہ ہوا ہے۔ سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں معراج کے زمینی سفر کی غرض و غایت یہ بیان ہوئی کہ ﴿لِنُرِيَنَّ مِنْ آيَاتِنَا﴾ یعنی یہ سفر اس لئے کرایا گیا کہ ہم اپنے رسول کو اپنی آیات میں سے چند ایک کا مشاہدہ کرائیں۔ وہاں ”کُبْرَى“ نہیں آیا۔ وہ زمینی آیات ہیں، وہ بھی اللہ کی نشانیاں ہیں۔ لیکن عظیم ترین آیات الہیہ وہ ہیں جو سدرۃ المنتہی کو ڈھانپے ہوئے ہیں، جن کا رسول اللہ ﷺ نے مشاہدہ فرمایا۔

اس حوالے سے اگر قاتل کیا جائے تو غلط نہیں ہوگا اور اس اعتبار سے فضیلت محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ثابت کی جائے تو درست ہوگی کہ ذات باری تعالیٰ کی ایک تجلی جو کوہ طور پر پڑی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کا بھی تحمل نہ کر سکے اور یہاں تجلیات ربانیہ کا سدرۃ المنتہی پر براہ راست جو نزول ہو رہا تھا جناب محمد ﷺ نے انہیں بھرپور انداز میں دیکھا اور ان کا تحمل کیا۔ اس اعتبار سے فرق و تفاوت ثابت ہے۔ لیکن اگر یہاں ذات

باری تعالیٰ کے دیدار کو لایا جائے تو یہ بلا سند ہے، اس کی قرآن یا حدیث میں سند موجود نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ اتنی بڑی بات تھی کہ یہاں ضرور اس کی صراحت کردی جاتی یا کم از کم حدیث میں ہی اس کی تصریح ہوتی۔ ہاں بعض صحابہؓ کے یہ اقوال کہ آپؐ شبِ معراج میں دیدارِ الہی سے بھی مشرف ہوئے تھے، سند کے ساتھ منقول ہیں۔ لیکن عظیم الموت پر ان کو وہ بصارت عطا فرمائے گا جو دیدارِ الہی کا تحمل کر سکے گی۔ یہ حضراتِ علماء اس کے لئے سورۃ القیامہ کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں: ﴿وَجُودٌ يَوْمَئِذٍ نَّاصِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝﴾ (آیات ۲۲-۲۳) ترجمہ: ”کچھ چہرے اس روز تروتازہ ہوں گے۔ اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔“ نیز حدیث میں بھی آیا ہے کہ اہل جنت کے لئے سب سے بڑی نعمت دیدارِ الہی ہوا کرے گی۔ اس ضمن میں میری بھی یہی رائے ہے۔ (روایتِ باری تعالیٰ کے ضمن میں بعض اہم احادیث اس کتابچے کے آخر میں ”ضمیمہ“ میں ملاحظہ کر لی جائیں)

”مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی“ کا مفہوم: اب میں سورۃ النجم کی آیت ۱۷ کے متعلق کچھ عرض کروں گا جس کی تشریح و توضیح میں نے مؤخر کی تھی، یعنی: ﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۝﴾ اس مقام پر بڑی عجیب کیفیت بیان کی گئی ہے اور اس آیت کو سمجھنا آسان نہیں ہے جب تک آپ چند کیفیات کو اچھی طرح جان نہ لیں۔ ہمارے

اپنے مشاہدے کے بارے میں ایک کیفیت یہ ہوتی ہے کہ مشاہدے کا شوق ہے اور وہ شوق اتنا ہے کہ حدِ ادب سے بھی تجاوز کرنا چاہتا ہے لیکن عرف اتنا نہیں ہے کہ دیکھ سکے۔ حسرت موہنی کا ایک شعر ہے۔

غمِ آرزو کا حسرتِ سبب اور کیا بتائیں

مرے شوق کی بلندی، مری ہمتوں کی پستی

شوق بہت بلند ہے، دیکھنا بہت کچھ چاہتے ہیں، لیکن آنکھیں چکاچوند ہو جاتی ہیں، دیکھ ہی نہیں سکتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ آیتِ قرآنیہ: ﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى﴾ ان دو متضاد کیفیات کو نہایت بلیغ اسلوب سے بیان کر رہی ہے۔ جیسے عربی کا مقولہ ہے کہ ”تَعْرِفُ الْأَشْيَاءَ بِأَضْدَادِهَا“ یعنی کسی شے کی حقیقت کو اس کی ضد (Antonym) کے حوالے سے بخوبی پہچانا جاسکتا ہے۔ جیسے رات کی حقیقت دن کے قتل سے سمجھ میں آتی ہے اور دن کی حقیقت رات کے قتل سے سمجھی جاسکتی ہے۔ اب علامہ اقبال کا وہ شعر ملاحظہ ہو جو ان کی نظم ”ذوق و شوق“ میں ہے۔ علامہ کی یہ نظم میرے نزدیک ان کے اردو کلام کی معراج (climax) ہے۔ اس نظم کے آخری حصے کا ایک شعر ہے۔

عینِ وصل میں مجھے حوصلہ نظر نہ تھا

گرچہ بہانہ جو رہی میری نگاہ بے ادب

دونوں اعتبارات سے جو ضد ہے اسے اقبل اس شعر میں لائے ہیں۔ یعنی ایک طرف میری نگاہ میں بے ادبی تھی، اور وہ چوری چوری بھی کچھ دیکھ لینا چاہتی تھی جس کا دیکھنا ادب کے خلاف ہے۔ لیکن دوسری طرف حوصلہ نظر نہیں تھا، لہذا دیکھ نہیں سکی۔ اس کو ذہن میں رکھتے ہوئے اب اس مشاہدے کی کیفیت کو سمجھنے کی کوشش کریں جو مشاہدہ محمد رسول اللہ ﷺ کر رہے ہیں۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ وہ مشاہدہ اللہ کا نہیں، بلکہ ”اہلبیت زبیر الکبریٰ“ کا مشاہدہ ہے۔ لیکن اس مشاہدے کی شان یہ ہے کہ نگاہ جمی رہی۔ یہ طرف ہے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ نگاہیں چکاچوند نہیں ہوئیں۔ جمل تیز روشنی ہو

نگاہیں اس کا قتل نہیں کر سکتیں اور دیکھنے والا نگاہ ہٹانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ لیکن وہاں حال یہ ہے کہ ”مَا زَاغَ الْبَصَرُ“ نگاہ کج نہیں ہوئی، ٹیڑھی نہیں ہوئی۔ جو کچھ دیکھا ہے نگاہ کو جما کر دیکھا ہے، جو مشاہدہ کیا ہے، بھرپور کیا ہے، پورے طرفِ کمال کے ساتھ کیا ہے، پورے قتل کے ساتھ کیا ہے، لیکن: ”وَمَا طَغَىٰ“ حد سے تجاوز نہیں کیا، بے ادبی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ ”طَغَىٰ“ ہی سے طغیانی بنا ہے، یعنی حد سے نکل جانا۔

دریا کو اپنی موج کی طغیانوں سے کلام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

طغیٰ حد سے تجاوز گو کہتے ہیں۔ وہ چونکہ مقامِ ادب بھی ہے، لہذا وہاں حد سے تجاوز نہیں ہوا۔ الْعَبْدُ عَبْدٌ وَإِنْ تَرَفُّى وَالرَّبُّ رَبٌّ وَإِنْ تَنَزَّلَ ”بندہ بندہ ہی رہے گا خواہ کتنے بلند مقام تک پہنچ جائے اور رب رب ہی رہے گا خواہ کتنا ہی نزولِ اجلال فرما لے۔“ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ کر بھی محمد ﷺ مقامِ بندگی سے تجاوز نہیں کر رہے ہیں۔ وہاں بھی حال یہ ہے کہ: ﴿فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ﴾ ”پس (وہاں بھی) وحی پہنچائی اپنے بندے کو جو وحی پہنچانی تھی۔“ لیکن عِبْدُهُ وَرَسُولُهُ کے مشاہدے کی کیفیت یہ ہے کہ: ﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ﴾ ”نگاہ نہ کج ہوئی اور نہ ہی اس نے حد سے تجاوز کیا۔“ ﴿لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ﴾ ”بالتحقیق انہوں نے اپنے رب کی عظیم ترین آیات کا مشاہدہ کیا۔“ اب ظاہریات ہے کہ یہ آیات کبریٰ ہمارے تخیل و تصور سے بالاتر ہیں اور انسانی زبان کے الفاظ ان کے بیان کا قتل بھی نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں بھی ان کا ذکر مجمل طور پر ہی کیا گیا ہے۔

حدیثِ معراج کا تسلسل

اب ہم دوبارہ زیر مطالعہ حدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس میں سدرۃ المنتہیٰ کی بات شروع ہوئی تھی۔ نبی اکرم ﷺ سے حضرت مالک بن معمرؓ روایت کرتے ہیں: ((ثُمَّ رُفِعْتُ إِلَىٰ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ)) ”پھر مجھے اٹھایا گیا سدرۃ المنتہیٰ تک۔“

((اِذَا تَبَقُّهَا مِثْلُ قِلَافٍ مَّحْرُورٍ اِذَا وَرَقُهَا مِثْلُ اَذَانِ الْفِيلَةِ)) اب حضورؐ سدرۃ المنتہی کی کچھ باتیں ہماری زبان میں سمجھا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ: ”اس بیری کے درخت کے پیر تو علاقہ ہجر کے ملکوں کے حجم کے تھے اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں جتنے بڑے تھے۔“ ((قَالَ: هَذِهِ سِدْرَةُ الْمُنْتَهَى)) ”حضرت جبرائیلؑ نے کہا: یہ ہے سدرۃ المنتہی۔“ ((فَاِذَا اَرْبَعَةُ اَنْهَارٍ: نَهْرَانِ بَاطِنَانِ وَنَهْرَانِ ظَاهِرَانِ)) ”میں نے وہاں چار نہریں دیکھیں، دو نہریں خفیہ طور پر اور دو ظاہر طور پر بہہ رہی تھیں۔“ ((قُلْتُ مَا هَذَا يَا جِبْرِيلُ؟)) میں نے پوچھا: جبرائیل! یہ کیا ہیں؟۔“ ((قَالَ: اَمَّا الْبَاطِنَانِ فَنَهْرَانِ فِي الْحَقَّةِ)) ”یہ جو دو ڈھکی ہوئی نہریں جاری ہیں یہ تو جنت کی نہریں ہیں (ایک کوثر اور دوسری سلویل)۔“ ((وَاَمَّا الظَّاهِرَانِ فَالْيَسْبِيلُ وَالْفُرَاتُ)) ”اور یہ جو ظاہری نہریں جاری ہیں یہ نیل اور فرات ہیں۔“ یعنی جن کا مادی پر تو ہمیں دنیا میں نظر آتا ہے۔ ((ثُمَّ رَفَعَ لِي الْبَيْتَ الْمَعْمُورَ)) ”پھر بیت المعمور میرے قریب لایا گیا۔“ بیت المعمور در حقیقت ساتویں آسمان پر اللہ تعالیٰ کا اصل گھر ہے، جس کا نخل اور سلیہ اس دنیا میں خانہ کعبہ ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ جبریلؑ نے اس کے بارے میں بتایا: ((يُصَلِّي فِيهِ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُونَ اَلْفَ مَلَكٍ اِذَا خَرَجُوا لَمْ يَعُودُوا اِلَيْهِ اَحْرَمًا عَلَيْهِمْ)) ”اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں اور جب ایک بار اس سے نکلتے ہیں تو دوبارہ ان کے داخلے کی نوبت نہیں آتی۔“ اسی طریقے سے فرشتے بیت الحرام میں خانہ کعبہ کا بھی طواف کرتے ہیں۔ پھر جان لیجئے کہ یہ ہماری نگاہوں سے مخفی عالم غیب کی ایک دنیا ہے۔ یقیناً اس کا ایک وجود ہے، چاہے وہ ہمیں نظر نہ آئے۔ (واضح رہے کہ بخاری و مسلم کی بعض روایات میں بیت المعمور کا ذکر سدرۃ المنتہی سے مقدم ہے) ((ثُمَّ اَتَيْتُ بِاِنَاءٍ مِنْ خَمِيرٍ وَاِنَاءٍ مِنْ لَبَنٍ وَاِنَاءٍ مِنْ عَسَلٍ)) ”پھر میرے سامنے تین برتن لائے گئے، ایک شراب کا، ایک دودھ کا اور ایک شہد کا۔“ ((فَاَخَذْتُ اللَّبَنَ)) ”میں نے دودھ والا پیالہ اٹھا لیا۔“ ((قَالَ: هِيَ الْفِطْرَةُ الَّتِي اَنْتَ عَلَيْهَا وَاَمْتُكَ)) ”حضرت جبرائیلؑ نے کہا: یہی

مطابقِ فطرت ہے، جس پر آپؐ بھی ہیں اور آپؐ کی امت بھی۔ یعنی انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے انتخاب کی توثیق کی۔ یہی بات اس آیت میں فرمائی گئی ہے ﴿فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے اسی فطرتِ انسانی کا انتخاب فرمایا جس پر اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔

امت کے لئے معراج کے تحفے : نبی اکرم ﷺ نے مزید فرمایا: ((ثُمَّ قَرِضَتْ عَلَيَّ الصَّلَاةُ خَمْسِينَ صَلَاةً كُلَّ يَوْمٍ)) ”پھر مجھ پر (اور میری امت پر) پچاس نمازیں یومیہ فرض کی گئیں۔“ ایک دوسری روایت میں ہے کہ مجھے اس موقع پر تین چیزیں عطا کی گئیں: ایک تے پچاس نمازیں ایک دن رات میں فرض ہوئیں اور دوسری سورۃ البقرہ کی آخری دو آیات :

﴿أَمَّا الرَّسُولُ فَمَا أَنْزَلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ مُجَلَّاتٌ أَمَّا بِاللَّهِ وَمَلَيْكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا فَطَرَانَاكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۝ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِمْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝﴾

اور تیسری چیز یہ کہ آپؐ کی امت کے گناہ کبیرہ بھی بغیر توبہ کے معاف ہو سکیں گے۔ یہ خصوصی تحفے ہیں جو بارگاہِ رب العزت سے اس مقام پر شبِ معراج میں محمد رسول اللہ ﷺ کو امت کے لئے عطا ہوئے۔ اس میں اولین صلوٰۃ ہے۔ یہ معراج میں فرض ہوئی لہذا اس کے متعلق حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ((الصَّلَاةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِينَ)) یعنی نماز اہل ایمان کے لئے بمنزلہ معراج ہے۔

پھر اسی روایت میں آگے تفصیل آ رہی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب واپسی کے

لئے آئے اور حضرت موسیٰؑ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا : ”یہ پچاس نمازیں بہت زیادہ ہیں، مجھے لوگوں کا تجربہ ہے، آپ کی امت اس کا تحمل نہ کر سکے گی، واپس جایئے اور تخفیف کے لئے درخواست کیجئے۔“ حضور ﷺ واپس گئے تو دس نمازیں معاف ہو گئیں، چالیس رہ گئیں۔ پھر آپؐ حضرت موسیٰؑ کے پاس آئے تو انہوں نے آپؐ سے پھر وہی بات کہی اور آپؐ کو واپس بھیجا۔ پھر گئے تو تیس ہو گئیں، اسی طرح حضرت موسیٰؑ کے بھیجے پر پھر گئے تو بیس ہو گئیں، پھر تشریف لے گئے تو دس رہ گئیں۔ اس پر بھی حضرت موسیٰؑ نے وہی بات کہی۔ آپؐ پھر گئے تو اب پانچ رہ گئیں۔ حضرت موسیٰؑ نے اس پر بھی کہا کہ پھر واپس جایئے اور تخفیف کے لئے درخواست کیجئے، پانچ نمازیں بھی آپؐ کی امت کے لئے ہماری ہوں گی۔ لیکن حضور ﷺ نے فرمایا کہ اب مجھے شرم آتی ہے، اتنی مرتبہ جاچکا ہوں کہ اب مزید جانے میں حیا محسوس کر رہا ہوں، لہذا میں اسی پر راضی ہوں اور اس معاملے کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ”جب میں موسیٰؑ کے پاس سے واپسی کے لئے روانہ ہوا تو ایک ندا کرنے والے کی ندا آئی کہ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) ”میں نے اپنے فرض کو نافذ کر دیا ہے اور اپنے بندوں کا بوجھ ہلکا کر دیا ہے۔“ ایک دوسری حنفی علیہ روایت کے آخر میں اس کا ذکر ہے کہ ”اللہ کے ہاں یہ پانچ نمازیں اجر و ثواب کے حساب سے پچاس نمازوں کے مساوی ہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں قول بدلا نہیں جاتا۔“ میں نے بقیہ حدیث کی ترجمانی اپنے الفاظ میں کر دی ہے۔ اب اس کے آخری حصے کا متن بھی ملاحظہ کر لیجئے :

((فَرَجَعْتُ إِلَىٰ مُوسَىٰ فَقَالَ : بِمِ أُمِرْتُ؟ قُلْتُ : أُمِرْتُ بِخَمْسِ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ قَالَ : إِنْ أَمْسَكَكَ لَا تَسْتَطِيعُ خَمْسَ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ وَلَئِنِّي قَدْ حَزَبْتُ النَّاسَ قَبْلَكَ وَعَالَجْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَشَدَّ الْمُعَالَجَةِ فَأَرْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَاَسْأَلُهُ التَّخْفِيفَ لِأَمْرِكَ قَالَ : سَأَلْتُ رَبِّي حَتَّى اسْتَخْبَيْتُ وَلَكِنْ أَرْضَى وَأَسْلَمُ قَالَ : فَلَمَّا

جَاوَزْتُ نَادَى مُنَادٍ : اَمْضَيْتُ فَرِيضَتِي وَخَفَّفْتُ عَنْ

عِبَادِي))

اس متفق علیہ روایت کے علاوہ بھی واقعہ معراج کے متعلق کثیر روایات موجود ہیں۔ آنحضور ﷺ کو جنت و دوزخ کے جو مشاہدات کرائے گئے وہ دوسری روایات میں مذکور ہیں، لیکن اسناد کے اعتبار سے کسی دوسری روایت کا وہ درجہ اور مرتبہ نہیں ہے جو اس روایت کا ہے۔

ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ پھر حضور ﷺ واپس مسجد اقصیٰ تشریف لائے اور وہاں سے براق پر مکہ مکرمہ مراجعت ہوئی۔ میں چند دوسری روایات کی روشنی میں عرض کر چکا ہوں کہ اس پورے سفر معراج کے دوران وقت بالکل نہیں گزرا۔ گویا وقت کہیں روک دیا گیا ہے اور پوری کائنات کو کہیں قہام دیا گیا ہے۔ یہ بات تو وہ ہے جو آج سے پہلے بھی سمجھ میں آ سکتی تھی کہ شاید کسی ایک وقت پر پوری کائنات کو روک دیا گیا ہو اور کسی کے لئے بھی وقت بالکل نہ گزرا ہو۔ لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اس وقت تو یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ سب کے لئے وقت گزر رہا ہو لیکن صرف محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے نہ گزرے۔ تاہم یہ بات زیادہ قرین قیاس ہے کہ اس پورے سفر کے لئے وقت کی رفتار کو روک دیا گیا ہو۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ”اگے بڑھو یا وقت کی رفتار روک دو“۔۔۔۔۔ تو یہ وقت کی رفتار محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے روک دی گئی تھی۔ واللہ اعلم

مشرکین کا ردِ عمل

اس واقعہ کو نبی اکرم ﷺ نے جب ایک مجمع میں سنایا تو اس پر جو ردِ عمل اور جو ہنگامہ ہوتا تھا وہ ہوا۔ یہاں تک بھی ہوا کہ بعض مومنین صادقین متزلزل، متردد اور متذبذب ہو گئے۔ مشرکین مکہ نے بغلیں بجائیں کہ اب ہمیں اپنے پروپیگنڈے کے لئے بڑا سنہری موقع مل گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب تک تو یہ شک ہی کی بات تھی کہ (نفل کفر)

کفر نہ باشد) ان کو کچھ خلل دماغ کا عارضہ ہے، اب تو ثابت ہو گیا، اب تو کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی۔ آپ حضرات خود اس کا اندازہ کیجئے کہ یہ واقعہ مکہ میں مجمع عام میں بیان کیا جا رہا ہے جہاں منکرین نبوت کی عظیم ترین اکثریت ہے، وہاں کیسی ہنگامہ آرائی ہوئی ہوگی! پھر مشرکین کی جانب سے احتمالی سوالات کئے گئے: اچھا! یہ بتائیے کہ مسجد اقصیٰ کے ستون کتنے ہیں؟ وہاں کی کھڑکیاں کیسی ہیں؟ فرش کیسا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔۔۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں گھبرا گیا۔ اس لئے کہ ایسی تفصیلات کس کو یاد رہتی ہیں۔ مسجد اقصیٰ میں جا کر حضور ستون تو نہیں گنتے رہے تھے۔ لیکن جب ایسے سوالات کئے جا رہے تھے تو عین ممکن تھا کہ مجمع میں تلی پٹ جائے، مگر اچانک اللہ تعالیٰ نے آپ کے سامنے مسجد اقصیٰ کو ظاہر کر دیا۔ اب آپ دیکھ دیکھ کر ان کے اس طرح کے سوالات کے جوابات دیتے رہے اور لوگ دنگ ہوتے رہے۔ بخاری اور مسلم دونوں میں یہ روایت موجود ہے کہ:

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «لَمَّا كَذَّبَنِي قُرَيْشٌ قُمْتُ فِي الْحِجْرِ فَحَلَّتْ لِيَ بَيْتَ الْمُقَدَّسِ فَطَفِيفْتُ أُخْبِرُهُمْ عَنْ آيَاتِهِ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهِ» (صحيح عليه)

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا: ”جب مجھ کو قریش نے (واقعہ معراج پر) بھٹلایا تو میں حجر میں کھڑا ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے ظاہر فرما دیا۔ میں نے ان کو اس کی نشانیاں بتانی شروع کر دیں اور میں ان کو دیکھتا جاتا تھا۔“

میں نے عرض کیا تھا کہ نبی اکرم ﷺ کو اللہ کی طرف سے بے شمار مشاہدات کرائے گئے۔ جنت آپ کے جنت سامنے لے آئی جاتی ہے، جہنم سامنے لے آئی جاتی ہے۔ بیت المقدس سامنے لے آیا جاتا ہے اور مسجد اقصیٰ کے مشاہدے سے حضور ﷺ ہر سوال کا جواب دیتے ہیں۔

ابوبکر صدیقؓ کی تصدیق

اسی ضمن میں وہ واقعہ آتا ہے کہ چند لوگ دوڑے دوڑے حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر یہ پلاہم مارلیں تو پھر ہماری جیت ہے، اگر ہم ابوبکرؓ کو متزلزل کر دیں تو پھر گویا ہمارے لئے کوئی اور مسئلہ نہیں رہے گا۔ روایات میں آتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے بھی یہ سن کر ایک مرتبہ تو جھرجھری لی، لیکن آنے والوں سے صرف ایک سوال کیا کہ ”کیا واقعی وہ“ یہ فرما رہے ہیں؟“ لوگوں نے خوش ہو کر تالیاں بجاتے ہوئے کہا: ہاں ہاں وہ یہ کہہ رہے ہیں، چلو ہم تمہیں اپنے ساتھ لے چلتے ہیں، اپنے کانوں سے سن لو۔ انہوں نے سمجھا کہ ہمارا دار کار گر ہوا ہے، واقعی کوئی متزلزل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے اس سوال کے بعد یہ جواب دیا: ”لوگو! اگر آپ“ کہہ رہے ہیں تو صدیقی صد درست کہہ رہے ہیں۔ میں یہ مانتا ہوں کہ روزانہ فرشتہ آپ کے پاس آتا ہے، اور اگر ایک مرتبہ آپ“ کو آسمان پر لے جایا گیا تو یہ کون سی بڑی شے ہے؟ میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔“ یہ دن ہے کہ جس دن سے ہار گاہ رسالت سے ابوبکرؓ کو صدیق کا خطاب عطا ہوا اور اسی روز سے ابوبکرؓ ”صدیق اکبر“ شمار ہوتے ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه۔

تو یہ قہارہ سیر معراج، جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ کو ہفت آسمان اور سدرۃ المنتہیٰ پر موجود اپنی عظیم نشانیوں کا مشاہدہ کرایا۔

أَقُولُ قَوْلِي هَذَا وَاسْتَغْفِرُ اللَّهَ لِي وَلَكُمْ
وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ ۝



واقعہ معراج سے متعلق چند احادیث نبویؐ اور آثارِ صحابہؓ

ذیل میں چند ایسی احادیث پیش کی جا رہی ہیں جن کا براہ راست یا بالواسطہ حوالہ اس کتابچے میں آیا ہے۔

روایت باری تعالیٰ کے متعلق احادیث :

(۱) عن جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : ((اِنَّكُمْ سَتَرُونَ رَجُلًا عِيَانًا)) وفي رواية قال : كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَظَرْنَا إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ فَقَالَ : ((اِنَّكُمْ سَتَرُونَ رَجُلًا كَمَا تَتَرُونَ هَذَا الْقَمَرَ وَلَا تَضَامُونَ فِي رُؤْيَيْهِ فَإِنْ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَا تُغْلِبُوا عَنْ صَلَوةٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا فَافْعَلُوا)) ثُمَّ قَرَأَ : ﴿ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا ﴾

(رواہ البخاری ومسلم والترمذی وابوداؤد)

جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ”تم اپنے پروردگار کو عیاں دیکھو گے“۔ ایک روایت میں ہے : ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپؐ نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھ کر فرمایا : ”تم اپنے رب کی طرف دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو اور اس کے دیکھنے میں کوئی دقت محسوس نہیں کرتے۔ اگر تم اس بات کی طاقت رکھو کہ تم سورج نکلنے اور غروب ہونے

سے پہلے نماز پڑھنے سے مغلوب نہ کر دیئے جاؤ تو ایسا ضرور کرو۔ پھر یہ آیت پڑھی: ”اور تسبیح بیان کرو اپنے پروردگار کی سورج نکلنے اور غروب ہونے سے پہلے۔“ (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد)

(۲) عن ابی ذر الغفاری رضی اللہ عنہ قال: سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: هل رأيت ربك؟ قال ((نور، أنشی أراه؟)) (رواہ مسلم)

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: ”کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟“ آپ نے ارشاد فرمایا: ”وہ تو نور ہے، میں اسے کیونکر دیکھتا؟“۔ (مسلم)

(۳) عن مسروق قال: كنت متكئا عند عائشة رضی اللہ عنہا فقالت: يا ابا عائشة، ثلاث من تكلم بواحدة منهن فقد أعظم على الله الفرية، قلت: ما هن؟ قالت: من زعم أن محمداً صلى الله عليه وسلم رأى ربه، فقد أعظم على الله الفرية، قال: وكنت متكئا فجلست فقلت: يا أم المؤمنين، أنظريني ولا تعجليني، ألم يقل الله عز وجل ﴿وَلَقَدْ رَآهُ بِأَلْفِ الْمِائَةِ﴾ ﴿وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى﴾ فقالت: أنا أول هذه الأمة سأل عن ذلك رسول الله ﷺ فقال: ((أتما هو جبريل، لم أره على صورته التي خلق عليها غير هاتين المراتين، رأيته منهيظاً من السماء، ساداً عظم خلقه ما بين السماء إلى الأرض)) فقالت: أولم تسمع أن الله يقول: ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾، ثم تسمع أن الله يقول: ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ

بِأَذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلَىٰ حَكِيمٍ

قالت : ومن زعم أنّ رسولَ الله ﷺ كتّم شيئاً من كتابِ الله فقد أعظمَ على اللهِ الفِرْيَةَ، واللهُ يقولُ : ﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَغْتَ رِسَالَتَهُ﴾ قالت : ومن زعم أنّه يُخَيِّرُ بما يكون في غِيْدٍ فقد أعظمَ على اللهِ الفِرْيَةَ، واللهُ يقولُ : ﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ﴾

(رواه البخاری ومسلم والترمذی)

مسروقؒ بیان کرتے ہیں کہ : میں حضرت عائشہؓ کے پاس تکیہ لگائے بیٹھا تھا کہ انہوں نے فرمایا : ”اے ابو عائشہ (مسروقؒ کی کنیت) تین باتیں ایسی ہیں کہ جو کوئی ان میں سے کوئی ایک بات بھی کہے تو اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا۔“ میں نے کہا : وہ کیا ہیں؟ (حضرت عائشہؓ نے) فرمایا : ”جس کسی کا یہ خیال ہو کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا۔“ مسروقؒ کہتے ہیں : میں تکیہ لگائے ہوئے تھا (یہ سن کر) میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور کہا : ام المؤمنین اٹھریئے ذرا میری بات تو سنئے اور جلدی نہ کیجئے، کیا اللہ عزوجل نے یہ نہیں فرمایا : (ترجمہ) ”اور اس نے اس کو روشن افق پر دیکھا ہے۔“ ”اور ایک مرتبہ پھر اس نے (سدرۃ المنتہی کے پاس) اس کو اترتے دیکھا۔“ اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا : ”اس امت میں سب سے پہلے میں نے ہی رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا تھا تو آپؐ نے فرمایا تھا : ”یہ تو جبریلؑ (کا ذکر) ہے۔ میں نے اسے ان کو ان کی اصل صورت میں جس پر انہیں پیدا کیا گیا ہے“ ان دو مواقع کے سوا کبھی نہیں دیکھا۔ (ان دو مواقع پر) میں نے انہیں آسمان سے نیچے اترتے دیکھا“ اور ان کی عظیم ہستی زمین و آسمان کے درمیان ساری فضا پر چھائی ہوئی تھی۔“ پھر (حضرت عائشہؓ نے) فرمایا : ”کیا تم نے اللہ تعالیٰ

کایہ فرمان نہیں سنا؟ (ترجمہ) ”لگا ہیں اس کو نہیں پاسکتیں اور وہ لگا ہوں کو پا لیتا ہے۔ وہ بڑا باریک بین اور باخبر ہے۔“ اور کیا تم نے اللہ تعالیٰ کایہ ارشاد بھی نہیں سنا؟ ”اور کسی بشر کایہ مقام نہیں ہے کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر یا تو وحی کے طور پر یا پردے کے پیچھے سے یا یہ کہ ایک فرشتہ بھیجے اور وہ اس پر اللہ کے اذن سے وحی کرے جو کچھ اللہ چاہے یقیناً وہ بلند مرتبت اور صاحبِ حکمت ہے۔“

(حضرت عائشہؓ نے مزید فرمایا : ”اور جس کسی کایہ خیال ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے کتاب اللہ میں سے کوئی بات چھپائی ہے تو اس نے بھی اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹ گھڑا کیونکہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے : (ترجمہ) ”اے رسولؐ جو کچھ آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب سے نازل ہوا ہے وہ لوگوں تک پہنچا دیجئے“ اور اگر (بالفرض) آپؐ نے ایسا نہ کیا تو آپؐ نے اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا۔“ پھر فرمایا : ”اور جو کوئی یہ گمان رکھتا ہو کہ وہ آنے والے کل کے حالات بتا سکتا ہے اس نے بھی اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (ترجمہ) ”کہہ دیجئے کہ اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا۔“

(بخاری، مسلم، ترمذی)

(۴) حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ قَالَ: سَأَلْتُ زُرَّ بْنَ حَبِيشٍ عَنْ قَوْلِ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ ﴿كَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ﴾ قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ مَسْعُودٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى جِبْرِيلَ لَهُ سِتْمِائَةُ جَنَاحٍ (رواہ مسلم)

ہمیں شیبانیؒ نے بتایا کہ میں نے زُر بن حبیشؒ سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں دریافت کیا کہ (ترجمہ) ”یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔“ تو انہوں نے کہا : ”مجھے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے بتایا کہ نبی اکرم ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو اس صورت میں دیکھا کہ ان کے چھ سوا بازو تھے۔“ (صحیح مسلم)

معراج سے متعلق انس بن مالکؓ کی روایت سے ایک اقتباس

.... قال (ﷺ) : فرجعتُ الی موسیٰ فأخبرتهُ قال : راجع رَّبِّکَ ، فَإِنَّ أَمَّتْکَ لَا تُطِیْقُ ذَٰلَکَ ، قال : فراجعتُ رَبِّیْ ، فقال : هِیَ خَمْسٌ ، وَهِيَ خَمْسُونَ ، لَا یُبَدِّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ ، قال : فرجعتُ الی موسیٰ ، فقال : راجع رَّبِّکَ ، فقلتُ : قَدْ اسْتَحْبَبْتُ مِنْ رَبِّیْ متفق علیہ

.... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : میں پھر موسیٰ کے پاس آیا اور انہیں اس کے بارے میں بتایا۔ انہوں نے کہا : ”اپنے رب کے پاس واپس جائیے کیونکہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھے گی۔“ آپ نے فرمایا : ”میں پھر اپنے رب کے پاس واپس پلٹا تو رب تعالیٰ نے (نمازوں کی تعداد پانچ معین کرتے ہوئے) فرمایا : ”یہ (اگرچہ) پانچ ہیں مگر (ثواب کے لحاظ سے) پچاس ہی ہیں میرے ہاں قول تبدیل نہیں ہوا کرتا۔“ میں پھر موسیٰ کے پاس آیا تو انہوں نے پھر مجھے اپنے رب کے پاس واپس جانے کو کہا۔ مگر میں نے کہا کہ اب مجھے اپنے رب سے حیا آتی ہے.....

سدرۃ المنتہی کی کیفیت اور معراج کے تحفوں سے متعلق

ابن مسعودؓ کی حدیث

عن عبد اللہ قال : لَمَّا أُسْرِيَ بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ انْتَهَى بِهِ إِلَى سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى ، وَهِيَ فِي السَّمَاءِ السَّادِسَةِ ، إِلَيْهَا يَنْتَهَى مَا يُعْرَجُ بِهِ مِنَ الْأَرْضِ فَيُقَبِّضُ مِنْهَا ، وَإِلَيْهَا يَنْتَهَى مَا يُهْبَطُ بِهِ مِنْ فَوْقِهَا فَيُقَبِّضُ مِنْهَا ، قَالَ : ﴿إِذَا بَغِشَى السِّدْرَةُ مَا يَبْغِشِي﴾ ، قَالَ : فَرَأَيْتُ مِنْ ذَهَبٍ ، قَالَ :

فَاعْطَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ثَلَاثًا : أُعْطِيَ الصَّلَاةَ
 الْحَمِيسَ ، وَأُعْطِيَ خَوَاتِيمَ سُورَةِ الْبَقَرَةِ ، وَغُفِرَ لِمَنْ لَا
 يُشْرِكُ بِاللَّهِ مِنْ أُمَّتِهِ شَيْقًا الْمُفْجَحَاتِ (رواه مسلم و ترمذی)
 ”عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو رات کے
 وقت (سفر معراج پر) لے جایا گیا تو آپ کو سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچایا گیا اور سدرۃ
 المنتہیٰ چھٹے آسمان میں ہے۔ زمین سے جو چیز اوپر چڑھتی ہے وہ سدرہ تک
 پہنچتی ہے اور وہاں سے لے لی جاتی ہے اور اوپر سے جو چیز اتاری جاتی ہے وہ
 بھی یہیں تک آتی ہے اور یہاں سے لے لی جاتی ہے۔ اور سدرہ کے متعلق
 انہوں نے اس آیت کا حوالہ دیا : ﴿إِذْ يُلْقِي السَّيْدَرَةُ مَا يُلْقِي﴾
 اور کہا کہ وہ سونے کے پروانے ہیں۔ اور (سدرۃ المنتہیٰ پر) نبی صلی اللہ علیہ
 وسلم کو تین چیزیں دی گئیں۔ (۱) پانچ نمازیں، (۲) سورۃ البقرہ کی آخری
 آیات اور (۳) آپ کی امت میں سے ہر اس شخص کے کبیرہ گناہ بھی معاف کر
 دیئے گئے جس نے اللہ کے ساتھ کسی نوع کا شرک نہ کیا ہو۔



مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کے قیام کا مقصد

منبع ایمان — اور — سرشتہ یقین

قرآن حکیم

کے علم و حکمت کی

وسیع پیمانی — اور — اعلیٰ علمی سطح

پر تشیرو اشاعتے

تاکر اُمت کے فیہ غنایں تجدید ایمان کی ایک عمومی تحریک پہو جائے

اور اس طرح

اسلام کی نشاۃ ثانیہ — اور — غلبہ دین حق کے دور ثانی

کی راہ ہموار ہو کے

وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ